

تَقْرِيرُ الْوَلَدَنَ

سُورَةُ الْمَّاْدَةِ

QuranUrdu.com

—  
١٥—

حصہ اول

سید ابوالاعلم مودودی

## فہرست

3	نام:	..... ۳
3	زمانہ نزول:	..... ۳
4	شان نزول:	..... ۴
6	مباحث:	..... ۶
8	دکو ۱۶	..... ۸
29	دکو ۲۶	..... ۲۹
36	دکو ۳۶	..... ۳۶
48	دکو ۴۸	..... ۴۸
55	دکو ۵۶	..... ۵۵
62	دکو ۶۶	..... ۶۲
74	دکو ۷۶	..... ۷۴
85	دکو ۸۶	..... ۸۵

## نام:

اس سورۃ کا نام پندرھویں رکوع کی آیت **هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَا إِنَّا  
السَّمَاءِ** کے لفظ ”ماندہ“ سے ماخوذ ہے۔ قرآن کی بیشتر سورتوں کے ناموں کی طرح اس نام کو بھی سورۃ کے موضوع سے کوئی خاص تعلق نہیں، محض دوسرا سورت توں سے ممیز کرنے کے لیے اسے علامت کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

## زمانہ تنزول:

سورت کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد سن ۶ ہجری کے اوآخر یا سن ۷ ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی ہے۔ ذی القعده سن ۶ ہجری کا واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ مگر کفار قریش نے عداوت کے جوش میں عرب کی قدیم ترین مذہبی روایات کے خلاف آپؐ کو عمرہ نہ کرنے دیا اور بڑی ردود کرد کے بعد یہ بات قبول کی کہ آئندہ سال آپؐ زیارت کے لیے آسکتے ہیں۔ اس موقع پر ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کو ایک طرف توزیارتِ کعبہ کے لیے سفر کے آداب بتائے جائیں تاکہ آئندہ سال عمرے کا سفر پوری اسلامی شان کے ساتھ ہو سکے، اور دوسرا طرف انہیں تاکید کی جائے کہ دشمن کافروں نے ان کو عمرہ سے روک کر جو زیادتی کی ہے اس کے جواب میں وہ خود کوئی ناروازیاadtی نہ کریں، اس لیے کہ بہت سے کافر قبیلوں کے حج کا راستہ اسلامی مقبوضات سے گزرتا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ جس طرح انہیں زیارتِ کعبہ سے روکا گیا ہے اسی طرح وہ بھی ان کو روک دیں۔ یہی

تقریب ہے اُس تمہیدی تقریر کی جس سے اس سورہ کا آغاز ہوا ہے۔ آگے چل کر تیرھوں رکوع میں پھر اسی مسئلہ کو چھپٹا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے رکوع سے چودھوں رکوع تک ایک ہی سلسلہ تقریر چل رہا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرا مضمون اس سورہ میں ہم کو ملتے ہیں وہ بھی سب کے سب اسی دور کے معلوم ہوتے ہیں۔

بیان کے تسلسل سے غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ پوری سورۃ ایک ہی خطبہ پر مشتمل ہے جو بیک وقت نازل ہوا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ متفرق طور پر اس کی بعض آیتیں بعد میں نازل ہوئی ہوں اور مضمون کی مناسبت سے ان کو اس سورہ میں مختلف مقامات پر پیوست کر دیا گیا ہو، لیکن سلسلہ بیان میں کہیں کوئی خفیف ساختا بھی محسوس نہیں ہوتا جس سے یہ قیاس کیا جاسکے کہ یہ سورہ دو یا تین خطبوں کا مجموعہ ہے۔

### شانِ نزول:

سورہ آل عمران اور سورہ نساء کے زمانہ نزول سے اس سورہ کے نزول تک پہنچتے پہنچتے حالات میں بہت بڑا تغیر واقع ہو چکا تھا۔ یا تو وہ وقت تھا کہ جنگ اُحد کے صدمہ نے مسلمانوں کے لیے مدینہ کے قریبی ماحول کو بھی پُر خطر بنادیا تھا، یا اب یہ وقت آگیا کہ عرب میں اسلام ایک ناقابل شکست طاقت نظر آنے لگا اور اسلامی ریاست ایک طرف نجد تک، دوسری طرف حدوں شام تک، تیسرا طرف ساحل بحر احمر تک اور چوتھی طرف مکہ کے قریب تک پھیل گئی۔ اُحد میں جوزخم مسلمانوں نے کھایا تھا وہ ان کی ہمتیں توڑنے کے بجائے ان کے عزم کے لیے ایک اور تازیانہ ثابت ہوا۔ وہ زخمی شیر کی طرح بھر کر اُٹھے اور تین سال کی مدت میں انہوں نے نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ان کی مسلسل جدوجہد اور سرفروشیوں کا شمرہ یہ تھا کہ مدینہ کے چاروں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو میل تک تمام مخالف قبائل کا زور ٹوٹ گیا۔ مدینہ پر جو یہودی خطرہ

ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا اس کا ہمیشہ کے لیے استیصال ہو گیا اور حجاز میں دوسرے مقامات پر بھی جہاں جہاں یہودی آباد تھے، سب مدینہ کی حکومت کے باج گزار بن گئے۔ اسلام کو دبانے کے لیے قریش نے آخری کوشش غزوہ حندق کے موقع پر کی اور اس میں وہ سخت ناکام ہوئے۔ اس کے بعد اہل عرب کو اس امر میں کچھ شک نہیں رہا کہ اسلام کی تحریک اب کسی کے مٹائے نہیں سکتی۔ اب اسلام محض ایک عقیدہ و مسلک ہی نہ تھا جس کی حکمرانی صرف دلوں اور دماغوں تک محدود ہو، بلکہ وہ ایک ریاست بھی تھا جس کی حکمرانی عملًا اپنے حدود میں رہنے والے تمام لوگوں کی زندگی پر محیط تھی۔ اب مسلمان اس طاقت کے مالک ہو چکے تھے کہ جس مسلک پر وہ ایمان لائے تھے، بے روک ٹوک اس کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور اس کے سوا کسی دوسرے عقیدہ و مسلک یا قانون کو اپنے دائرة حیات میں دخل اندازناہ ہونے دیں۔

پھر ان چند برسوں میں اسلامی اصول اور نقطہ نظر کے مطابق مسلمانوں کی اپنی ایک مستقل تہذیب بن چکی تھی جو زندگی کی تمام تفصیلات میں دوسروں سے الگ اپنی ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ اخلاق، معاشرت، تمدن، ہر چیز میں اب مسلمان غیر مسلموں سے بالکل ممیز تھے۔ تمام اسلامی مقبوضات میں مساجد اور نماز باجماعت کا نظام قائم ہو گیا تھا۔ ہر بستی اور ہر قبیلے میں امام مقرر تھے۔ اسلامی قوانین دیوانی و فوجداری بڑی حد تک تفصیل کے ساتھ بن چکے تھے اور اپنی عدالتوں کے ذریعہ سے نافذ کے جارہے تھے۔ لین دین اور خرید و فروخت کے پرانے معاملات بند اور نئے اصلاح شدہ طریقے رائج ہو چکے تھے۔ وراثت کا مستقل ضابطہ بن گیا تھا۔ نکاح اور طلاق کے قوانین، پرداہ شرعی اور استیزان کے احکام، اور زنا و قذف کی سزا نہیں جاری ہونے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل گئی تھی۔ مسلمانوں کی

نہست و برخاست، بول چال، کھانے پینے، وضع قطع اور رہنے سہنے کے طریقے تک اپنی ایک مستقل شکل اختیار کر پکے تھے۔ اسلامی زندگی کی ایسی مکمل صورت گری ہو جانے بعد غیر مسلم دُنیا اس طرف سے قطعی مایوس ہو چکی تھی کہ یہ لوگ، جن کا اپنا ایک الگ تمدن بن چکا ہے، پھر کبھی ان میں آمیں گے۔

صلح حُدیبیہ سے پہلے مسلمانوں کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ کفارِ قریش کے ساتھ ایک مسلسل کشکش میں اُنجھے ہوئے تھے اور انہیں اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اس رکاوٹ کو حُدیبیہ کی ظاہری شکست اور حقیقی فتح نے دُور کر دیا۔ اس سے ان کو نہ صرف یہ کہ اپنی ریاست کے حُدود میں امن میسر آگیا، بلکہ اتنی مہلت بھی مل گئی کہ گردوبیش کے علاقوں میں اسلام کی دعوت کے لے کر پھیل جائیں۔ چنانچہ اس کا افتتاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران، روم، مصر اور عرب کے بادشاہوں اور نیسou کو خطوط لکھ کر کیا اور اس کے ساتھ ہی قبیلوں اور قوموں میں مسلمانوں کے داعی خدا کے بندوں کو اسکے دین کی طرف بلانے کے لیے پھیل گئے۔

### مباحث:

یہ حالات تھے جب سورہ مائدہ نازل ہوئی۔ یہ سورہ حسب ذیل تین بڑے بڑے مضامین پر مشتمل ہے:

(۱) مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی زندگی کے متعلق مزید احکام وہدایات۔ اس سلسلہ میں سفر حج کے آداب مقرر کیے گئے، شعائر اللہ کے احترام اور زائرین کعبہ سے عدم تعریض کا حکم دیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کے قطعی حُدود قائم کیے گئے اور دُور جاہلیت کی خود ساختہ بندشوں کو توڑ دیا گیا، اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی، وضو اور غسل اور تیم کے

قاعدے مقرر کیے گئے، بغاوت اور فساد اور سرقة کی سزا میں معین کی گئیں، شراب اور جوئے کو قطعی حرام کر دیا گیا، قسم توڑنے کا کفارہ مقرر کیا گیا، اور قانونِ شہادت میں مزید چند دفعات کا اضافہ کیا گیا۔

(۲) مسلمانوں کو نصیحت۔ اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ بن چکے تھے، ان کے ہاتھ میں طاقت تھی، جس کا نشہ قوموں کے لیے اکثر گمراہی کا سبب بتارہا ہے، مظلومی کا دور خاتمہ پر تھا اور اس سے زیادہ سخت آزمائش کے دور میں وہ قدم رکھ رہے تھے، اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے بار بار نصیحت کی گئی کہ عدل پر قائم رہیں، اپنے پیش رو اہل کتاب کی روشن سے بچیں، اللہ کی اطاعت و فرمان برداری اور اس کے احکام کی پیروی کا جو عہد انہوں نے کیا ہے اس پر ثابت قدم رہیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح اس کو توڑ کر اُس انعام سے دوچار نہ ہوں جس سے وہ دوچار ہوئے۔ اپنے جملہ معاملات کے فیصلوں میں کتابِ الٰہی کے پابند رہیں، اور منافقت کی روشن سے اجتناب کریں۔

(۳) یہودیوں اور عیسائیوں کو نصیحت۔ یہودیوں کا ذور اب ٹوٹ چکا تھا اور شمالی عرب کے تقریباً تمام یہودی بستیاں مسلمانوں کے زیر نگیں آگئی تھیں۔ اس موقع پر ان کو ایک بار پھر ان کے غلط روایہ پر متنبہ کیا گیا ہے اور انہیں راہِ راست پر آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز چونکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے عرب اور متصل ممالک کی قوموں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع نکل آیا تھا اس لیے عیسائیوں کو بھی تفصیل کے ساتھ خطاب کر کے ان کے عقائد کی غلطیاں بتائی گئی ہیں اور انہیں نبی عربی پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ہمسایہ ممالک میں سے جو قومیں بُت پرست اور مجوہی تھیں ان کو برآہِ راست خطاب نہیں کیا گیا، کیونکہ ان کی ہدایت کے لیے وہ خطبات کافی تھے جو ان کے ہم مسلک مشرکین عرب کو خطاب کرتے ہوئے مکہ میں نازل ہو چکے تھے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رُكْوَاد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُهُودِ ۖ أَحِلَتْ لَكُمْ بِهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ  
غَيْرَ مُحِلٍّ الصَّيْدٍ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا  
شَعَابِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدَى وَلَا الْقَلَادِ وَلَا آمِينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ  
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۗ وَإِذَا حَلَّتُمْ فَاصْطَادُوا ۗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ  
قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۗ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۗ وَلَا  
تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدُوِّ اِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ  
الْتَّيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخِنَقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَ  
الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَرْتُمْ ۗ وَمَا ذُبَحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ  
تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۝ ذِلِّكُمْ فِسْقٌ ۝ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا  
تَخْشَوْهُمْ وَأَخْشَوْنِ ۝ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ  
رَضِيَتْ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ۝ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مُحَمَّصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۝ فَإِنَّ اللَّهَ  
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۝ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبُ ۝ وَمَا عَلَّمْتُمُ مِنَ

الْجَوَارِحُ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ هِمَّا عَلَمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا هِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا  
 اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢﴾ الْيَوْمَ أَجِلُّ نَكْمَ الظَّيْبَتِ  
 وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنُ مِنَ  
 الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُحْصَنُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ  
 أُجُورَهُنَّ مُحْسِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَخَذِّلَّ أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكُفُرُ بِالإِيمَانِ فَقَدْ  
 حَبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِيرِينَ ﴿٣﴾

## دکوع ۱

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پوری پابندی کرو۔<sup>1</sup> تمہارے لیے مولیشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے،<sup>2</sup> سوائے ان کے جو آگے چل کر تم کو بتائے جائیں گے۔ لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کرو،<sup>3</sup> بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔<sup>4</sup>

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا پرستی کی نشانیوں کو بے حرمت نہ کرو۔<sup>5</sup> نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کرو، نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو، نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذرِ خداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں، نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکانِ محترم ﴿کعبہ﴾ کی طرف جا رہے ہوں۔<sup>6</sup> ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو شکار تم کر سکتے ہو۔<sup>7</sup> اور دیکھو، ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجدِ حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں نارواز یاد تیاں کرنے لگو۔<sup>8</sup> نہیں! جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔ تم پر حرام کیا گیا مُردار،<sup>9</sup> خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو،<sup>10</sup> وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔<sup>11</sup> سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔<sup>12</sup> اور وہ جو کسی آستانے<sup>13</sup> پر ذبح کیا گیا ہو۔<sup>14</sup> نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے

کہ پاؤں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔<sup>14</sup> یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈربلکہ مجھ سے ڈرو۔<sup>15</sup> آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ﴿لہذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو﴾<sup>16</sup>۔ البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور حرم فرمانے والا ہے۔<sup>17</sup> لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے، کہو تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔<sup>18</sup> اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو۔۔۔ جن کو خدا کے دیے ہوئے علم کی بناء پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔۔۔ وہ جس جانور کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو بھی تم کھاسکتے ہو،<sup>19</sup> البتہ اس پر اللہ کا نام لے لو<sup>20</sup> اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو، اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔<sup>21</sup> اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی،<sup>22</sup> بشرطیکہ تم ان کے مہزادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنا یاں کرو۔ اور جو کسی نے ایمان کی روشن پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہو گا۔<sup>23</sup>

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 1 ▲

یعنی اُن حدود اور قیود کی پابندی کرو جو اس سورۃ میں تم پر عائد کی جا رہی ہیں، اور جو بالعموم خدا کی شریعت میں تم پر عائد کی گئی ہیں۔ اس مختصر سے تمہیدی جملہ کے بعد ہی اُس بندشوں کا بیان شروع ہو جاتا ہے جن کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 2 ▲

”انعام“ (مویشی) کا لفظ عربی زبان میں اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ اور ”بہیمه“ کا اطلاق ہر چرنے والے چوپائے پر ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہوتا کہ انعام تمہارے لیے حلال کیے گئے، تو اس سے صرف وہی چار جانور حلال ہوتے جنہیں عربی میں ”انعام“ کہتے ہیں۔ لیکن حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ ”مویشی کی قسم کے چرندہ چوپائے تم پر حلال کیے گئے“۔ اس سے حکم و سیع ہو جاتا ہے اور وہ سب چرندہ جانور اس کے دائرے میں آجاتے ہیں جو مویشی کی توعیت کے ہوں۔ یعنی جو کچلیاں نہ رکھتے ہوں، حیوانی غذا کے بجائے نباتی غذا کھاتے ہوں، اور دوسری حیوانی خصوصیات میں آنعامِ عرب سے مماثلت رکھتے ہوں۔ نیز اس سے اشارۃ یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وہ چوپائے جو مویشیوں کے بر عکس کچلیاں رکھتے ہوں اور دوسرے جانوروں کو مار کر کھاتے ہوں، حلال نہیں ہیں۔ اسی اشارے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر کے حدیث میں صاف حکم دے دیا کہ درندے حرام ہیں۔ اسی طرح حضور نے اُن پرندوں کو بھی حرام قرار دیا ہے جن کے پنجے ہوتے ہیں اور جو دوسرے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں یا مُردار خور ہوتے ہیں۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطير۔ دوسرے متعدد صحابہ سے بھی اس کی تائید میں روایات

منقول ہیں۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 3 ▲

”احرام“ اُس فقیرانہ لباس کو کہتے ہیں جو زیارت کعبہ کے لیے پہننا جاتا ہے۔ کعبہ کے گرد کئی کئی منزل کے فاصلہ پر ایک حد مقرر کر دی گئی ہے جس سے آگے بڑھنے کی کسی زائر کو اجازت نہیں جب تک کہ وہ اپنا معمولی لباس اُتار کر احرام کا لباس نہ پہن لے۔ اس لباس میں صرف ایک تہمت ہوتا ہے اور ایک چادر جو اُپر سے اوڑھی جاتی ہے۔ اسے احرام اس لیے کہتے ہیں کہ اسے باندھنے کے بعد آدمی پر بہت سی وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو معمولی حالات میں حلال ہیں، مثلاً حمامت، خوشبو کا استعمال، ہر قسم کی زینت و آرائش اور قضاء شہوت وغیرہ۔ انہی پابندیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کو ہلاک نہ کیا جائے، نہ شکار کیا جائے اور نہ کسی کو شکار کا پتہ دیا جائے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 4 ▲

یعنی اللہ حاکم مطلق ہے، اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بندوں کو اُس کے احکام میں چون وچرا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں، لیکن بندہ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا مبني بر مصلحت سمجھتا ہے، بلکہ صرف اس بناء پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔ جو چیز اس نے حرام کر دی ہے وہ صرف اس لیے حرام ہے کہ اس نے حرام کی ہے، اور اسی طرح جو اس نے حلال کر دی ہے وہ بھی کسی دوسرا بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اس بنیاد پر حلال ہے کہ جو خدا ان ساری چیزوں کا مالک ہے، وہ اپنے غلاموں کو اس چیز کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ لہذا قرآن پورے زور کے ساتھ یہ اصول قائم کرتا ہے کہ اشیاء کی حرمت و حلت کے لیے مالک کی

اجازت و عدم اجازت کے سوا کسی اور نیاد کی قطعاً ضرورت نہیں، اور اسی طرح بندے کے لیے کسی کام کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مدار بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خدا جس کو جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 5 ▲

ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرزِ فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلاتے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جمٹے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سیکنے، نوٹ اور اسلام پ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے مکھوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر بربہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہیں۔ سو استیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔

"شعائر اللہ" سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی علامات جہاں جس مسلک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں مسلمان ان کے احترام پر مامور ہیں، بشرطیکہ ان کا نفسیاتی پس منظر خالص خدا پرستانہ ہو، کسی مشرکانہ یا

کافرانہ تجھیل کی آکوڈگی سے انہیں ناپاک نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی شخص خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنے عقیدہ و عمل میں خدا نے واحد کی بندگی و عبادت کا کوئی جزء رکھتا ہے، تو اس جزء کی حد تک مسلمان اس سے موافق تکریں گے اور ان شعائر کا بھی پورا احترام کریں گے جو اس کے مذہب میں خالص خدا پرستی کی علامت ہوں۔ اس چیز میں ہمارے اور اس کے درمیان نزع نہیں بلکہ موافق تھے۔ نزع اگر ہے تو اس افری میں نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کیوں کرتا ہے، بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسری بندگیوں کی آمیزش کیوں کرتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شعائر اللہ کے احترام کی یہ حکم اُس زمانہ میں دیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی، مکہ پر مشرکین قابض تھے، عرب کے ہر حصے سے مشرک قبائل کے لوگ حج و زیارت کے لیے کعبہ کی طرف جاتے تھے اور بہت سے قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی زد میں تھے۔ اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہی سہی، تمہارے اور ان کے درمیان جنگ ہی سہی، مگر جب یہ خدا کے گھر کی طرف جاتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو، حج کے مہینوں میں ان پر حملہ نہ کرو، خدا کے دربار میں نذر کرنے کے لیے جانور یہ لیے جا رہے ہوں اُن پر ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ ان کے بگڑے ہوئے مذہب میں خدا پرستی کا جتنا حصہ باقی ہے وہ بجائے خود احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے احترامی کا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 6 ▲

”شعائر اللہ“ کے احترام کا عام حکم دینے کے بعد چند شعائر کا نام لے کر ان کے احترام کا خاص طور پر حکم دیا گیا کیونکہ اُس وقت جنگی حالات کی وجہ سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جنگ کے جوش میں کہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی توہین نہ ہو جائے۔ ان چند شعائر کو نام بیان کرنے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ صرف

یہی احترام کے مستحق ہیں۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 7 ▲

احرام بھی مِن جملہ شعائر اللہ ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔ اس لیے شعائر اللہ ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا گیا کہ جب تک تم احرام بند ہو، شکار کرنا خدا پرستی کے شعائر میں سے ایک شعار کی توہین کرنا ہے۔ البتہ جب شرعی قاعدہ کے مطابق احرام کی حد ختم ہو جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 8 ▲

چونکہ کفار نے اس وقت مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تھا اور عرب کے قدیم دستور کے خلاف حج تک سے مسلمان محروم کر دیے گئے تھے، اس لیے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کافر قبیلوں کے راستے اسلامی مقویضات کے قریب سے گزرتے ہیں، ان کو ہم بھی حج سے روک دیں اور زمانہ حج میں ان کے قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمایا کہ انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 9 ▲

یعنی وہ جانور جو طبعی موت مر گیا ہو۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 10 ▲

یعنی جس کو ذبح کرتے وقت خدا کے سوا کسی اور کانام لیا گیا ہو، یا جس کو ذبح کرنے سے پہلے یہ نیت کی گئی ہو

کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں دیوی یادیوتا کی نذر ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۷)۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 11 ▲

یعنی جو جانور مذکورہ بالاحواد میں سے کسی حادثے کا شکار ہو جانے کے باوجود مرانہ ہو بلکہ کچھ آثارِ زندگی اس میں پائے جاتے ہوں، اس کو اگر ذبح کر لیا جائے تو اُسے کھایا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حلال جانور کا گوشت صرف ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، کوئی دوسرا طریقہ اس کو ہلاک کرنے کا صحیح نہیں ہے۔ یہ ”ذبح“ اور ”ذکاة“ اسلام کے اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان سے مراد حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے۔ جھٹکا کرنے یا گلا گھونٹنے یا کسی اور تدبیر سے جانور کو ہلاک کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خون کا بیشتر حصہ جسم کے اندر ہی رُک کر رہ جاتا ہے اور وہ جگہ جگہ جنم کر گوشت کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ بر عکس اس کے ذبح کرنے کی صورت میں دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیر تک باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے رگ رگ کا خون کھینچ کر باہر آ جاتا ہے اور اس طرح پورے جسم کا گوشت خون سے صاف ہو جاتا ہے۔ خون کے متعلق ابھی اپر ہی یہ بات گز رچکی ہے کہ وہ حرام ہے، لہذا گوشت کے پاک اور حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خون اس سے جدا ہو جائے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 12 ▲

اصل میں لفظ ”نصب“ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد وہ سب مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کی نذر و نیاز چڑھانے کے لیے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہو، خواہ وہاں کوئی پتھر یا لکڑی کی مورت ہو یا نہ ہو۔ ہماری زبان میں اس کا ہم معنی لفظ آستانہ یا استھان ہے جو کسی بزرگ یادیوتا سے، یا کسی خاص مشرکانہ اعتقاد سے والبستہ ہو۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 13 ▲

اس مقام پر یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کی جو قیود شریعت کی طرف سے عائد کی جاتی ہیں اُن کی اصل بنیاد اُن اشیاء کے طبی فوائد یا نقصانات نہیں ہوتے، بلکہ اُن کے اخلاقی فوائد و نقصانات ہوتے ہیں۔ جہاں تک طبیعی اُمور کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کو انسان کی اپنی سمعی و جستجو اور کاوش و تحقیق پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ دریافت کرنا انسان کا اپنا کام ہے کہ مادّی اشیاء میں سے کیا چیزیں اس کے جسم کو غزاۓ صالح بہم پہنچانے والی ہیں اور کیا چیزیں تغذیہ کے لیے غیر مفید ہیں یا نقصان دہ ہیں۔ شریعتِ ان اُمور میں اس کی رہنمائی کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتی۔ اگر یہ کام اس نے اپنے ذمہ لیا ہوتا تو سب سے پہلے سنکھیا کو حرام کیا ہوتا۔ لیکن آپ دیکھتے ہی ہیں کہ قرآن و حدیث میں اُس کا، یا اُن دوسرے مفردات و مركبات کا، جو انسان کے لیے سخت مہلک ہیں، سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ شریعتِ غذا کے معاملہ میں جس چیز پر روشنی ڈالتی ہے وہ دراصل اُس کا یہ پہلو ہے کہ کس غذا کا انسان کے اخلاق پر کیا اثر ہوتا ہے، اور کوئی غذائیں طہارتِ نفس کے لحاظ سے کیسی ہیں، اور غذا حاصل کرنے کے طریقوں میں سے کون سے طریقے اعتقادی و نظری حیثیت سے صحیح یا غلط ہیں۔ چونکہ اس کی تحقیق کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے، اور اسے دریافت کرنے کے ذرائع انسان کو میسر ہی نہیں ہیں، اور اسی بنا پر انسان نے اکثرِ ان اُمور میں غلطیاں کی ہیں، اس لیے شریعت صرف انہی اُمور میں، اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ جن چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے انہیں اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ یا تو اخلاق پر ان کا بُرا اثر پڑتا ہے، یا وہ طہارت کے خلاف ہیں، یا ان کا تعلق کسی فاسد عقیدہ سے ہے۔ بر عکس اس کے جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے ان کی حللت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان بُرا یوں میں سے کوئی بُرا اُنی اپنے اندر نہیں رکھتیں۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ خدا نے ہم کو ان اشیاء کی حُرمت کے وجہ کیوں نہ سمجھائے تاکہ ہمیں بصیرت حاصل ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے وجہ کو سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ مثلاً یہ بات کہ خون، یا سور کے گوشت یا مُردار کے کھانے سے ہماری اخلاقی صفات میں کیا خرابیاں رُونما ہوتی ہیں، کس قدر اور کس طرح ہوتی ہیں، اس کی تحقیق ہم کسی طرح نہیں کر سکتے، کیونکہ اخلاق کو ناپنے اور تولنے کے ذرائع ہمیں حاصل نہیں ہیں۔ اگر بالفرض اُن کے بُرے اثرات کو بیان کر بھی دیا جاتا تو شہ کرنے والا تقریباً اُسی مقام پر ہوتا جس مقام پر وہ اب ہے، کیونکہ وہ اس بیان کی صحت و عدم صحت کو آخر کس چیز سے جانچتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال کے حدود کی پابندی کا انحصار ایمان پر رکھ دیا ہے۔ جو شخص اس بات پر مطمئن ہو جائے کہ کتاب، اللہ کی کتاب ہے اور رسول، اللہ کا رسول ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے، وہ اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرے گا، خواہ ان کی مصلحت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اور جو شخص اس بُنیادی عقیدے پر ہی مطمئن نہ ہو، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ جن چیزوں کی خرابیاں انسانی علم کے احاطہ میں آگئی ہیں صرف انہی سے پرہیز کرے اور جن کی خرابیوں کا علمی احاطہ نہیں ہو سکا ہے ان کے نقصانات کا تختہ مشق بنتا رہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 14 ▲

اس آیت میں جس چیز کو حرام کیا گیا ہے اس کی تین بڑی قسمیں دُنیا میں پائی جاتی ہیں اور آیت کا حکم ان تینوں پر حاوی ہے:

(۱) مشرکانہ فال گیری، جس میں کسی دیوی یادیو تا سے قسمت کا فیصلہ پُوچھا جاتا ہے، یا غیب کی خبر دریافت کی جاتی ہے، یا باہمی نزعات کا تصفیہ کرایا جاتا ہے۔ مشرکین مکہ نے اس غرض کے لیے کعبہ کے اندر ہبّل

دیوتا کے بُت کو مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان میں سات تیر کھے ہوئے تھے جن پر مختلف الفاظ اور فقرے کندہ تھے۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہو، یا کھوئی ہوئی چیز کا پتہ پوچھنا ہو، یا خون کے مقدمہ کا فیصلہ مطلوب ہو، غرض کوئی کام بھی ہو، اس کے لیے ہبّل کے پانسہ دار (صاحبِ القداح) کے پاس پہنچ جاتے، اس کا نذرانہ پیش کرتے اور ہبّل سے دعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔ پھر پانسہ دار ان تیروں کے ذریعہ سے فال نکالتا، اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر لکھے ہوئے لفظ کو ہبّل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

(۲) تو ہم پرستانہ فال گیری، جس میں زندگی کے معاملات کا فیصلہ عقل و فکر سے کرنے کے بجائے کسی وہی و خیالی چیز یا کسی اتفاقی شے کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ یا قسمت کا حال ایسے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کا وسیلہ علم غیب ہونا کسی علمی طریق سے ثابت نہیں ہے۔ رمل، نجوم، جفر، مختلف قسم کے شگون اور نچتر، اور فال گیری کے بے شمار طریقے اس صنف میں داخل ہیں۔

(۳) جوئے کی قسم کے وہ سارے کھیل اور کام جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیضوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ لاٹری میں اتفاقاً فلاں شخص کا نام نکل آیا ہے لہذا ہزار ہا آدمیوں کی جیب سے نکلا ہوا روپیہ اس ایک شخص کی جیب میں چلا جائے۔ یا یہ کہ علمی حیثیت سے تو ایک معتمد کے بہت سے حل صحیح ہیں، مگر انعام وہ شخص پائے گا جس کا حل کسی معقول کوشش کی بنابر نہیں بلکہ محض اتفاق سے اس حل کے مطابق نکل آیا ہو جو صاحبِ معتمد کے صندوق میں بند ہے۔

ان تین اقسام کو حرام کر دینے کے بعد قرعہ اندازی کی صرف وہ سادہ صورتِ اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔ مثلاً ایک چیز پر دو آدمیوں

کا حق ہر حیثیت سے بالکل برابر ہے، اور فیصلہ کرنے والے کے لیے ان میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے، اور خود ان دونوں میں سے بھی کوئی اپنا حق خود چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس صورت میں ان کی رضامندی سے قرعہ اندازی پر فیصلہ کا مدار رکھا جاسکتا ہے۔ یا مشلاً دو کام یکساں درست ہیں اور عقلی حیثیت سے آدمی ان دونوں کے درمیان مذنب ہو گیا ہے کہ ان میں سے کس کو اختیار کرے۔ اس صورت میں ضرورت ہو تو قریبہ اندازی کی جاسکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ایسے موقع پر یہ طریقہ اختیار فرمائے تھے جبکہ دو برابر حق داروں کے درمیان ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آجاتی تھی اور آپؐ کو اندریشہ ہوتا تھا کہ اگر آپؐ خود ایک کو ترجیح دیں گے تو دوسرے کو ملال ہو گا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 15 ▲

”آج“ سے مراد کوئی خاص دن اور تاریخ نہیں ہے بلکہ وہ دور یا زمانہ مراد ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔ ہماری زبان میں بھی آج کا لفظ زمانہ حال کے لیے عام طور پر بولا جاتا ہے۔

”کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے“، یعنی اب تمہارا دین ایک مستقل نظام بن چکا ہے اور خود اپنی حاکمانہ طاقت کے ساتھ نافذ و قائم ہے۔ کفار جواب تک اس کے قیام میں مانع و مژاحم رہے ہیں، اب اس طرف سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ اسے مٹا سکیں گے اور تمہیں پھر پچھلی جاہلیت کی طرف واپس لے جا سکیں گے۔ ”لَهُذَا تَمَّ اَنْ سَنَهٌ ڈرُوْ بَلَكَهُ مَجْهَ سَهُ ڈرُوْ“، یعنی اس دین کے احکام اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے میں اب کسی کافر طاقت کے غلبہ و قہر اور در اندازی و مراجحت کا خطرہ تمہارے لیے باقی نہیں رہا ہے۔ انسانوں کے خوف کی اب کوئی وجہ نہیں رہی۔ اب تمہیں خدا سے ڈرنا چاہیے کہ اس کے احکام کی

تعییل میں اگر کوئی کوتاہی تم نے کی تو تمہارے پاس کوئی ایسا عذر نہ ہو گا جس کی بنا پر تمہارے ساتھ کچھ بھی نرمی کی جائے۔ اب شریعتِ الٰہی کی خلاف ورزی کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ تم دُوسرے کے اثر سے مجبور ہو، بلکہ اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ تم خدا کی اطاعت کرنا نہیں چاہتے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 16 ▲

دین کو مکمل کر دینے سے مُرادُس کو ایک مستقل نظام فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تہذیب بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اُصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نعمت تمام کرنے سے مُراد نعمت ہدایت کی تکمیل کر دینا ہے۔ اور اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت و بندگی اختیار کرنے کا جواز قرار کیا تھا، اس کو چونکہ تم اپنی سعی و عمل سے سچا اور مخلصانہ اقرار ثابت کر چکے ہو، اس لیے میں نے اسے درجہ قبولیت عطا فرمایا ہے اور تمہیں عملًا اس حالت کو پہنچا دیا ہے کہ اب فی الواقع میرے سوا کسی کی اطاعت و بندگی کو جو اتمہاری گردنوں پر باقی نہ رہا۔ اب جس طرح اعتقاد میں تم میرے مسلم ہو اسی طرح عملی زندگی میں بھی میرے سوا کسی اور کے مسلم بن کر رہنے کے لیے کوئی مجبوری تمہیں لا حق نہیں رہی ہے۔ ان احسانات کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ سکوت اختیار فرماتا ہے مگر اندازِ کلام سے خود بخود یہ بات نکل آتی ہے کہ جب یہ احسانات میں نے تم پر کیے ہیں تو ان کا تقاضا یہ ہے کہ اب میرے قانون کی حدود پر قائم رہنے میں تمہاری طرف سے بھی کوئی کوتاہی نہ ہو۔

مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت جستہ الوداع کے موقعہ پر سن 10 ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جس سلسلہ کلام میں یہ واقع ہوئی ہے وہ صلحِ حدیبیہ سے متصل زمانہ (سن 6 ہجری) کا ہے اور سیاق

عبارت میں دونوں فقرے کچھ ایسے پیوستہ نظر آتے ہیں کہ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ ابتداء میں یہ سلسلہ کلام ان فقروں کے بغیر نازل ہوا تھا اور بعد میں جب یہ نازل ہوئے تو انہیں یہاں لا کر نصب کر دیا گیا۔ میرا قیاس یہ ہے، وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ، کہ ابتداء یہ آیت اسی سیاقِ کلام میں نازل ہوئی تھی اس لیے اس کی حقیقی اہمیت لوگ نہ سمجھ سکے۔ بعد میں جب تمام عرب مسخر ہو گیا اور اسلام کی طاقت اپنے شباب پر پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہ فقرے اپنے نبی پر نازل فرمائے اور ان کے اعلان کا حکم دیا۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 17 ▲

ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۷۲۔ آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

اس آیت میں حرام چیز کے استعمال کرنے کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو۔ مثلاً بھوک یا پیاس سے جان پر بن گئی ہو، یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور اس حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز میسر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون کو توڑنے کی خواہش دل میں موجود نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً حرام چیز کے چند لقے یا چند قطرے یا چند گھونٹ اگر جان پچاہکتے ہوں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہونے پائے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 18 ▲

اس جواب میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے۔ مذہبی طرزِ خیال کے لوگ اکثر اس فہمیت کے شکار ہوتے رہے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کو حرام سمجھتے ہیں جب تک کہ صراحة کسی چیز کو حلال نہ قرار دیا جائے۔ اس فہمیت کی وجہ سے لوگوں پر وہمی پن اور قانونیت کا تسلط ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں حلال اشیاء اور جائز کاموں کی فہرست مانگتے ہیں اور ہر کام اور ہر چیز کو اس شبہ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں کہ کہیں

وہ منوع تو نہیں۔ یہاں قرآن اسی فہمیت کی اصلاح کرتا ہے۔ پوچھنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ انہیں تمام حلال چیزوں کی تفصیل بتائی جائے تاکہ ان کے سوا ہر چیز کو وہ حرام سمجھیں۔ جواب میں قرآن نے حرام چیزوں کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد یہ عام ہدایت دے کر چھوڑ دیا کہ ساری پاک چیزوں حلال ہیں۔ اس طرح قدیم مذہبی نظریہ بالکل الٹ گیا۔ قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے بجز اس کے جسے حلال ٹھیک رکھا جائے۔ قرآن نے اس کے بر عکس یہ اصول مقرر کیا کہ سب کچھ حلال ہے بجز اس کے جس کی حرمت کی تصریح کر دی جائے۔ یہ ایک بہت بڑی اصلاح تھی جس نے انسانی زندگی کو بندشوں سے آزاد کر کے دُنیا کی وسعتوں کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا۔ پہلے حلّت کے ایک چھوٹے سے دائِرے کے سوا ساری دُنیا اس کے لیے حرام تھی۔ اب حرمت کے ایک مختصر سے دائِرے کو مستثنی کر کے ساری دُنیا اس کے لیے حلال ہو گئی۔

حلال کے لیے ”پاک“ کی قید اس لیے لگائی کہ ناپاک چیزوں کو اس اباحت کی دلیل سے حلال ٹھیک رکھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اب رہایہ سوال کہ اشیاء کے ”پاک“ ہونے کا تعین کس طرح ہو گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیزیں اصول شرع میں سے کسی اصل کے ماتحت ناپاک قرار پائیں، یا جن چیزوں سے ذوقِ سليم کراہت کرے، یا جنہیں مہذبِ انسان نے بالعموم اپنے فطری احساسِ نظافت کے خلاف پایا ہو، ان کے ماسو اس بکچھ پاک ہے۔

## ▲ سورہ المائدہ حاشیہ نمبر: 19

شکاری جانوروں سے مُراد گئے، چیتے، باز، شکرے اور تمام وہ درندے اور پرندے ہیں جن سے انسان شکار کی خدمت لیتا ہے۔ سدھائے ہوئے جانور کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس کا شکار کرتا ہے اُسے عام

درندوں کی طرح پھاڑ نہیں کھاتا بلکہ اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام درندوں کا پھاڑ اہوا جانور حرام ہے اور سدھائے ہوئے درندوں کا شکار حلال۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے، خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ شکار میں سے کچھ کھالیا تو وہ حرام ہو گا کیونکہ اس کا کھالینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو مالک کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا۔ یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہوتا بھی وہ حرام نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھالے تو بقیہ دو تہائی حلال ہے، اور اس معاملے میں درندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کھالیا ہو تو وہ حرام ہو گا، لیکن اگر شکاری پرندے نے کھایا ہو تو حرام نہ ہو گا۔ کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جا سکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے، لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبول نہیں کرتا۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ اس کے بر عکس حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے ہیں کہ شکاری پرندے کا شکار سرے سے جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ اسے تعلیم سے یہ بات سکھائی نہیں جا سکتی کہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لیے پکڑ رکھے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 20 ▲

یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عَدِیٰ بن حاتم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آیا میں گُٹتے کے ذریعہ سے شکار کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ”اگر اس کو چھوڑتے ہوئے تم نے اللہ کا نام لیا ہو تو کھاؤ ورنہ نہیں۔ اور اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تو نہ کھاؤ“

کیونکہ اس نے شکار کو دراصل اپنے لیے کپڑا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ اگر میں شکار پر اپنا گتا چھوڑوں اور بعد میں دیکھوں کہ کوئی اور گتا وہاں موجود ہے؟ آپ نے جواب دیا ”اس شکار کونہ کھاؤ۔ اس لیے کہ تم نے خدا کا نام اپنے کُٹتے پر لیا تھا نہ کہ دُسرے کُٹتے پر۔“

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر شکار زندہ ملے تو پھر خدا کا نام لے کر اسے ذبح کر لینا چاہیے اور اگر زندہ نہ ملے تو اس کے بغیر ہی وہ حلال ہو گا، کیونکہ ابتداءً شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جا چکا تھا۔ یہی حکم تیر کا بھی ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 21 ▲

اہل کتاب کے کھانے میں اُن کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ ہمارے لیے اُن کا اور اُن کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور اُن کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی چھوٹ چھات نہیں ہے۔ ہم اُن کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ۔ لیکن یہ عام اجازت دینے سے پہلے اس فقرے کا اعادہ فرمادیا گیا ہے کہ ”تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اگر پاکی و طہارت کے اُن قوانین کی پابندی نہ کریں جو شریعت کے نقطہ نظر سے ضروری ہیں، یا اگر اُن کے کھانے میں حرام چیزیں شامل ہوں تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ خدا کا نام لیے بغیر کسی جانور کو ذبح کریں، یا اس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام لیں، تو اسے کھانا ہمارے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اُن کے دستر خوان پر شراب یا سور یا کوئی اور حرام چیز ہو تو ہم اُن کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے۔ اہل کتاب کے سوا دُسرے غیر مسلموں کا بھی یہی حکم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ذبیحہ اہل کتاب ہی کا

جائز ہے جبکہ انہوں نے خدا کا نام اس پر لیا ہو، رہے غیر اہل کتاب، تو ان کے ہلاک کیے ہوئے جانور کو ہم نہیں کھاسکتے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 22 ▲

اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط یہ لگادی گئی ہے کہ وہ مُحصّنات (محفوظ عورتیں) ہوں۔ اس حکم کی تفصیلات میں فقهاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔ رہے دار الحرب اور دار الکفر کے یہود و نصاریٰ، تو ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں۔ حنفیہ اس سے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیرونی ممالک کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ بخلاف اس کے سعید بن المُسیبؓ اور حَسَن بصریؓ اس کے قائل ہیں کہ آیت اپنے حکم میں عام ہے لہذا ذمیٰ اور غیر ذمیٰ میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر مُحصّنات کے مفہوم میں بھی فقهاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے مراد پاک دامن، عصمت مآب عورتیں ہیں اور اس بنا پر وہ اہل کتاب کی آزاد منش عورتوں کو اس اجازت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی رائے حسنؓ، شعیؓ اور ابراہیم تبغیؓ کی ہے۔ اور حنفیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعیؓ کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ لونڈیوں کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، یعنی اس سے مراد اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں جو لونڈیاں نہ ہوں۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 23 ▲

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دینے کے بعد یہ فقرہ اس لیے تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے

کہ جو شخص اس اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ اپنے ایمان و اخلاق سے ہوشیار رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کافر بیوی کے عشق میں بُبتلا ہو کر یا اس کے عقائد اور اعمال سے متاثر ہو کر وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، یا اخلاق و معاشرت میں ایسی روشن پر چل پڑے جو ایمان کے منافی ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلُوكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوهُ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيهِكُمْ إِلَى الْهَرَافِقِ وَامْسَحُوهُ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهِرُوهُ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمْسُتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَحِدُوا مَاءً فَتَيَسِّرُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوهُ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيهِكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ ۖ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُظْهِرَكُمْ وَلِيُتَمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَادْكُرُوهُ نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيشَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ ۝ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطْعَنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُوْنُوا قَوْمِيْنَ بِاللَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقُسْطِ ۖ وَلَا يَجِرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَا تَعْدِلُوا ۖ إِعْدَلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلثَّقَوْيِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوهُ نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيهِمْ فَكَفَ أَيْدِيهِمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

## دکو٤

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے مُنہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔<sup>24</sup> اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔<sup>25</sup> اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے کام لو، بس اس پر ہاتھ مار کر اپنے مُنہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔<sup>26</sup> اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے،<sup>27</sup> شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے<sup>28</sup> اس کا خیال رکھو اور اس پختہ عہد و پیمان کونہ بھولو جو اس نے تم سے لیا ہے، یعنی تمہارا یہ قول کہ ”ہم نے سننا اور اطاعت قبول کی۔“ اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔<sup>29</sup> کسی گروہ کی ڈشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی خطاؤں سے در گزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔ رہے وہ لوگ جو کفر کریں اور اللہ کی آیات کو جھٹلاں گیں، تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے ﴿ابھی حال میں﴾ تم پر کیا ہے، جبکہ

ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے اُن کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیے۔  
**۳۰ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ۲۶**

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 24 ▲

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی جو تشریع فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُنہ دھونے میں کُلیٰ کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے، بغیر اس کے مُنہ کے غسل کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اور کان چونکہ سر کا ایک حصہ ہیں اس لیے سر کے مسح میں کانوں کے اندر ورنی و بیرونی حصوں کا مسح بھی شامل ہے۔ نیزو خصوص شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھولینے چاہیسیں تاکہ جن ہاتھوں سے آدمی ڈضو کر رہا ہو وہ خود پہلے پاک ہو جائیں۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 25 ▲

جنابت خواہ مباشرت سے لاحق ہوئی ہو یا خواب میں ماؤڈہ منویہ خارج ہونے کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں غسل واجب ہے۔ اس حالت میں غسل کے بغیر نماز پڑھنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء، حواشی نمبر ۲۷، ۲۸، ۲۹)۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 26 ▲

شریع کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء حاشیہ نمبر ۲۹، ۲۹۔ آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

#### سورہ النساء حاشیہ نمبر 69:

اس امر میں اختلاف ہے کہ لمس یعنی چھوٹنے سے کیا مراد ہے۔ حضرات علی، ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری، ابی ابن کعب، سعید بن جبیر، حسن بصری اور متعدد ائمہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد مباشرت ہے اور اسی رائے کو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام سُفیان ثوری نے اختیار کیا ہے۔ بخلاف اس کے حضرت

عبداللہ بن مسعود اور عبد اللہ ابن عمر کی رائے ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب کی بھی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد چھونا یا ہاتھ لگانا ہے اور اسی رائے کو امام شافعیؓ نے اختیار کیا ہے۔ بعض ائمہ نے نقج کا مسلک بھی اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام مالکؓ کی رائے ہے کہ اگر عورت یا مرد ایک دوسرے کو جذبات شہوانی کے ساتھ ہاتھ لگائیں تو ان کا وضو ساقط ہو جائے گا اور نماز کے لیے انہیں نیا وضو کرنا ہو گا، لیکن اگر جذبات شہوانی کے بغیر ایک کا جسم دوسرے سے مس ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

#### سورة النساء حاشیہ نمبر 70:

حکم کی تفصیلی صورت یہ ہے کہ اگر آدمی بے وضو ہے یا اُسے غسل کی حاجت ہے اور پانی نہیں ملتا تو تمیم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر مریض ہے اور غسل یا وضو کرنے سے اس کو نقصان کا اندریشہ ہے تو پانی موجود ہونے کے باوجود تمیم کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تمیم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب پانی نہ ملے یا پانی ہوا اور اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو۔

تمیم کے طریقے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر مونہ پر پھیر لیا جائے، پھر دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے، اور صحابہ و تابعین میں سے حضرت علی، عبد اللہ بن عمر، حسن بصری، شعیی اور سالم بن عبد اللہ وغيرہم اس کے قائل تھے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک صرف ایک دفعہ ہی ہاتھ مارنا کافی ہے۔ وہی ہاتھ منہ پر بھی پھیر لیا جائے اور اسی کو کلانی تک ہاتھوں پر بھی پھیر لیا جائے۔ کہنیوں تک مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ عطاء اور مکحول اور اوزاعی

اور احمد ابن حنبل رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور عموماً حضراتِ اہل حدیث اسی کے قائل ہیں۔

تیمّ کے لیے ضروری نہیں کہ زمین ہی پر ہاتھ مارا جائے۔ اس غرض کے لیے ہر گرد آکلوں چیز اور ہر وہ چیز جو خشک اجزاء ارضی پر مشتمل ہو کافی ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس طرح مٹی پر ہاتھ مار کر مونہ اور ہاتھوں پر پھیر لینے سے آخر طہارت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ آدمی میں طہارت کی حس اور نماز کا احترام فائم رکھنے کے لیے ایک اہم نفسیاتی تدبیر ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ آدمی خواہ کتنی ہی مدت تک پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو، بہر حال اس کے اندر طہارت کا احساس برقرار رہے گا، پاکیزگی کے جو قوانین شریعت میں مقرر کر دیے گئے ہیں ان کی پابندی وہ برابر کرتا رہے گا، اور اس کے ذہن سے قابل نماز ہونے کی حالت اور قابل نماز نہ ہونے کی حالت کا فرق و امتیاز کبھی محونہ ہو سکے گا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 27

جس طرح پاکیزگی نفس ایک نعمت ہے اسی طرح پاکیزگی جسم بھی ایک نعمت ہے۔ انسان پر اللہ کی نعمت اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جبکہ نفس و جسم دونوں کی طہارت و پاکیزگی کے لے پوری ہدایت اسے مل جائے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 28

یعنی یہ نعمت کہ زندگی کی شاہراہِ مستقیم تمہارے لیے روشن کر دی اور دُنیا کی ہدایت و رہنمائی کی منصب پر تمہیں سرفراز کیا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 29 ▲

ملاحظہ ہو سورہ النساء، حاشیہ نمبر ۱۶۵، ۱۶۳۔ آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

### سورہ النساء حاشیہ نمبر 164:

یہ فرمانے پر اکتفا نہیں کیا کہ انصاف کی روشن پر چلو، بلکہ یہ فرمایا کہ انصاف کے علمبردار بنو۔ تمہارا کام صرف انصاف کرنا ہی نہیں ہے بلکہ انصاف کا جھنڈا لے کر اٹھنا ہے۔ تمہیں اس بات پر کمر بستہ ہونا چاہیے کہ ظلم مٹے اور اس کی جگہ عدل و راستی قائم ہو۔ عدل کو اپنے قیام کے لیے جس سہارے کی ضرورت ہے، مومن ہونے کی حیثیت سے تمہارا مقام یہ ہے کہ وہ سہارا تم بنو۔

### سورہ النساء حاشیہ نمبر 165:

یعنی تمہاری گواہی محض خدا کے لیے ہونی چاہیے، کسی کی رو رعایت اس میں نہ ہو، کوئی ذاتی مفاد یا خدا کے سوا کسی کی خوشنودی تمہارے مذہب نظر نہ ہو۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 30 ▲

اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جسے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں میں سے ایک گروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاص خاص صحابہ کو کھانے کی دعوت پر بُلا یا تھا اور خفیہ طور پر یہ سازش کی تھی کہ اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور اس طرح اسلام کی جان نکال دیں گے۔ لیکن عین وقت پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش کا حال معلوم ہو گیا اور آپؐ دعوت پر تشریف نہ لے گئے۔ چونکہ یہاں سے خطاب کا رُخ بنی اسرائیل کی طرف پھر رہا ہے اس لیے تمہید کے طور پر اس واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں سے جو تقریر شروع ہو رہی ہے اس کے دو مقصد ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس روشن پر چلنے سے روکا جائے جس پر ان کے پیش رو اہل کتاب چل رہے تھے۔ چنانچہ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح آج تم

سے عہد لیا گیا ہے اسی طرح کل یہی عہد بنی اسرائیل سے اور مسیح علیہ السلام کی اُمّت سے بھی لیا جا چکا ہے۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح وہ اپنے عہد کو توڑ کر گرا ہیوں میں بُتلہ ہوئے اُسی طرح تم بھی اُسے توڑ دو اور گمراہ ہو جاؤ۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا جائے اور انہیں دینِ حق کی طرف دعوت دی جائے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيشَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمْ أَثْنَى عَشَرَ نَبِيًّا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ طَلِئْنَ أَقْتُمُ الصَّلَاةَ وَأَتَيْتُمُ الْزَّكُوَةَ وَأَمْنَتُمْ بِرُسُلِي وَعَرَرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَا كَفِرَنَ عَنْكُمْ سَيِّاتُكُمْ وَلَا دُخْلَنَّكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلُ ﴿٢٢﴾ فِيمَا نَقْضُهُمْ مِيشَاقُهُمْ لَعْنُهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قُسِيَّةً يُحَرِّفُونَ الْكِلَمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًا مِمَّا ذَكَرُوا بِهِ وَلَا تَرَأْلُ تَطَلُّعًا عَلَى خَآءِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَى أَخَذْنَا مِيشَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًا مِمَّا ذَكَرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَسُوفَ يُنَيِّعُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٢٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَبِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَبٌ مُبِينٌ ﴿٢٥﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبْلَ السَّلَمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِي إِلَيْهِمْ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهَ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

جَمِيعًاٌ وَّ يَلِهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَاٌ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ  
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤﴾ وَ قَالَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَؤُ اللَّهِ وَ أَحَبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يَعْذِبُكُمْ  
 بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّنْ خَلْقٍ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَعْذِبُ مَنْ يَشَاءُ وَ يَلِهِ مُلْكُ  
 السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَاٌ وَ إِلَيْهِ التَّصِيرُ ﴿١٥﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ  
 رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَ لَا نَذِيرٍ فَقَدْ  
 جَاءَكُمْ بَشِيرٍ وَ نَذِيرٍ وَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦﴾

## دکوع ۲

اللہ نے بنی اسرائیل سے بُخْتَة عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب<sup>31</sup> مقرر کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ”میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی<sup>32</sup>“ اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے<sup>33</sup> تو یقین رکھو کہ میں تمہاری بُرا ایساں تم سے زائل کر دوں گا<sup>34</sup> اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روشن اختیار کی تو در حقیقت اُس نے سواء السبیل<sup>35</sup> گم کر دی۔“ پھر یہ اُن کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور سچینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں، جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اُس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں، اور آئے دن تمہیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔ پس جب یہ اس حال کو پہنچ چکے ہیں تو جو شرارتیں بھی یہ کریں وہ ان سے عین متوقع ہیں۔ اللہ انہیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روشن رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے اُن لوگوں سے بھی بُخْتَة عہد لیا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم ”نصاری“ ہیں،<sup>36</sup> مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا، آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بعض و عناد کا نیج بو دیا، اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انہیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔

اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے جو کتابِ الٰہی کی بہت سی اُن کتابوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پر دہ ڈالا کرتے تھے، اور بہت سی باتوں سے در گزر بھی کر جاتا ہے۔<sup>37</sup> تمہارے

پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے<sup>38</sup> اور اپنے اذن سے ان کو اندر ہیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابنِ مریم ہی خدا ہے۔<sup>39</sup> اے محمد! ان سے کہو کہ اگر خدا مسیح ابنِ مریم کو اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اُس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے؟ اللہ توزیں اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے<sup>40</sup> اور اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے پوچھو، پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا کیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ زمین اور آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی ملک ہیں، اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

اے اہل کتاب! ہمارا یہ رسول ایسے وقت تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم تمہیں دے رہا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو دیکھو! اب وہ بشارت دینے اور ڈرانے والا آگیا۔۔۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔<sup>41</sup>

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 31 ▲

نقیب کے معنی غرائی اور تفتیش کرنے والے کے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر قبیلہ پر ایک ایک نقیب خود اسی قبیلہ سے مقرر کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ان کے حالات پر نظر رکھے اور انہیں بے دینی و بد اخلاقی سے بچانے کی کوشش کرتا رہے۔ باقیل کی کتاب گنتی میں بارہ ”سرداروں“ کا ذکر موجود ہے، مگر ان کی وہ حیثیت جو یہاں لفظ ”نقیب“ سے قرآن میں بیان کی گئی ہے، باقیل کے بیان سے ظاہر نہیں ہوتی۔ باقیل انہیں صرف رئیسوں اور سرداروں کی حیثیت سے پیش کرتی ہے اور قرآن ان کی حیثیت اخلاقی و دینی مگر ان کا رکنیت کا قرار دیتا ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 32 ▲

یعنی جو رسول بھی میری طرف سے آئیں، ان کی دعوت پر اگر تم لبیک کہتے اور ان کی مدد کرتے رہو۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 33 ▲

یعنی خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اُس ایک ایک پائی کو، جو انسان اس کی راہ میں خرچ کرے، کئی گنازیادہ انعام کے ساتھ واپس کرنے کا وعدہ فرماتا ہے، اس لیے قرآن میں جگہ جگہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کو ”قرض“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ ”اچھا قرض“ ہو، یعنی جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت خرچ کی جائے، خدا کے قانون کے مطابق خرچ کی جائے اور خلوص و حُسن نیت کے ساتھ خرچ کی جائے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 34 ▲

کسی سے اُس کی بُرا ایاں زائل کر دینے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ راہِ راست کو اختیار کرنے اور خدا کی ہدایت کے مطابق فکر و عمل کے صحیح طریقے پر چلنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان کا نفس بہت سی بُرا ایوں سے، اور اس کا طرزِ زندگی بہت سی خرابیوں سے پاک ہوتا چلا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس اصلاح کے باوجود اگر کوئی شخص بحیثیتِ مجموعی کمال کے مرتبے کونہ پہنچ سکے اور کچھ نہ کچھ بُرا ایاں اس کے اندر رباتی رہ جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان پر موآخذہ نہ فرمائے گا اور ان کو اس کے حساب سے ساقط کر دے گا، کیونکہ جس نے اساسی ہدایت اور نبیادیِ اصلاح قبول کر لی ہو اس کی جزوی اور ضمنی بُرا ایوں کا حساب لینے میں اللہ تعالیٰ سخت گیر نہیں ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 35 ▲

یعنی اُس نے ”سواء السَّبِيل“ کو پا کر پھر کھو دیا اور وہ تباہی کے راستوں میں بھٹک نکلا۔ ”سواء السَّبِيل“ کا ترجمہ ”تو سط و اعتدال کی شاہ راہ“ کیا جاسکتا ہے مگر اس سے پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہم نے ترجمہ میں اصل لفظ ہی کو جوں کا ٹوں لے لیا ہے۔

اس لفظ کی معنویت کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انسان بجائے خود اپنی ذات میں ایک عالمِ اصغر ہے جس کے اندر بے شمار مختلف قوتیں اور قابلیتیں ہیں، خواہشیں ہیں، جذبات اور رُحجانات ہیں، نفس اور جسم کے مختلف مطالبے ہیں، رُوح اور طبیعت کے مختلف تقاضے ہیں۔ پھر ان افراد کے ملنے سے جو اجتماعی زندگی بنتی ہے وہ بھی بے حد و حساب پیچیدہ تعلقات سے مرکب ہوتی ہے اور تمدن و تہذیب کے نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی پیچیدگیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ پھر دنیا میں جو سامانِ زندگی انسان کے

چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس سے کام لینے اور اس کو انسانی تمدن میں استعمال کرنے کا سوال بھی انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بکثرت شاخ در شاخ مسائل پیدا کرتا ہے۔

انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے اس پورے عرصہ حیات پر بیک وقت ایک متوازن نظر نہیں ڈال سکتا۔ اس بنا پر انسان اپنے لیے خود زندگی کا کوئی ایسا راستہ بھی نہیں بناسکتا جس میں اس کی ساری قوتوں کے ساتھ انصاف ہو، اس کی تمام خواہشوں کا ٹھیک ٹھیک حق ادا ہو جائے، اس کے سارے جذبات و رُجحانات میں توازن قائم رہے، اس کے سب اندر ویں و بیرونی تقاضے تناسب کے ساتھ پورے ہوں، اس کی اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کی مناسب رعایت ملحوظ ہو اور ان سب کا ایک ہموار اور متناسب حل نکل آئے، اور ماذی اشیاء کو بھی شخصی اور تمدنی زندگی میں عدل، انصاف اور حق شناسی کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہے۔ جب انسان خود اپنا رہنمای اور اپنا شارع بنتا ہے تو حقیقت کے مختلف پہلوؤں میں سے کوئی ایک پہلو، زندگی کی ضرورتوں میں سے کوئی ایک ضرورت، حل طلب مسئلؤں میں سے کوئی ایک مسئلہ اس کے دماغ پر اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ دوسراے پہلوؤں اور ضرورتوں اور مسئلؤں کے ساتھ وہ بالارادہ یا بلا ارادہ بے انصافی کرنے لگتا ہے۔ اور اس کی اس رائے کے زبردستی نافذ کیے جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ بے اعتدالی کی کسی ایک انتہائی طرف ٹیڑھی چلنے لگتی ہے۔ پھر جب یہ ٹیڑھی چال اپنے آخری حدود پر پہنچتے پہنچتے انسان کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو وہ پہلو اور وہ ضروریات اور وہ مسائل جن کے ساتھ بے انصافی ہوئی تھی، بغاوت شروع کر دیتے ہیں اور زور لگانا شروع کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ انصاف ہو۔ مگر انصاف پھر بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر وہی عمل رونما ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک، جو سابق بے اعتدالی کی بدولت سب سے زیادہ دبادیا گیا تھا، انسانی دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مخصوص مقتضاء کے مطابق ایک خاص رُخ پر بھالے جاتا ہے جس میں پھر دوسراے پہلوؤں اور

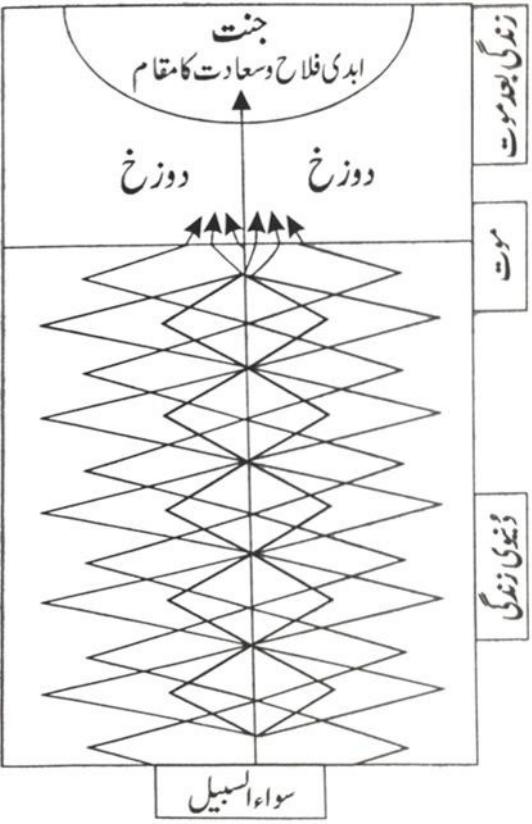
ضرورتوں اور مسئلے کے ساتھ بے انصافی ہونے لگتی ہے۔ اس طرح انسانی زندگی کو کبھی سیدھا چلنا نصیب نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہ ہچکو لے ہی کھاتی رہتی ہے اور تباہی کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف ڈھلنکتی چلتی جاتی ہے۔ تمام وہ راستے جو خود انسان نے اپنی زندگی کے لیے بنائے ہیں، خطِ منحنی کی شکل میں واقع ہیں، غلط سمت سے چلتے ہیں اور غلط سمت پر ختم ہو کر پھر کسی دوسری غلط سمت کی طرف مڑ جاتے ہیں۔

إن بہت سے ٹیڑھے اور غلط راستوں کے درمیان ایک ایسی راہ جو بالکل وسط میں واقع ہو، جس میں انسان کی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ، اس کے تمام جذبات و رُجحانات کے ساتھ، اور اس کی رُوح اور جسم کے تمام مطالبوں اور تقاضوں کے ساتھ، اور اس کی زندگی کے تمام مسائل کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا ہو، جس کے اندر کوئی ٹیڑھ، کوئی کبھی، کسی پہلو کی بے جار عایت اور کسی دوسرے پہلو کے ساتھ ظلم اور بے انصافی نہ ہو، انسانی زندگی کے صحیح ارتقاء اور اس کی کامیابی و بامرادی کے لیے سخت ضروری ہے۔ انسان کی عین فطرت اس راہ کی طالب ہے، اور مختلف ٹیڑھے راستوں سے بار بار اس کے بغاؤت کرنے کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ اس سیدھی شاہراہ کو ڈھونڈتی ہے۔ مگر انسان خود اس شاہراہ کو معلوم کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس کی طرف صرف خداراہ نمائی کر سکتا ہے اور خدا نے اپنے رسول اسی لیے بھیجے ہیں کہ اس راہ راست کی طرف انسان کی راہنمائی کریں۔

قرآن اسی راہ کو سواء السبیل اور صراطِ مستقیم کہتا ہے۔ یہ شاہراہ دُنیا کی اس زندگی سے لے کر آخرت کی

دُوسری زندگی تک بے شمار ٹیڑھے راستوں کے درمیان سے سیدھی گزرتی چلی جاتی ہے۔ جو اس پر چلا، وہ یہاں راست رو اور آخرت میں کامیاب و با مراد ہے، اور جس نے اس راہ کو گم کر دیا، وہ یہاں غلط ہیں، غلط رو اور غلط کار ہے، اور آخرت میں لا محالہ اُسے دوزخ میں جانا ہے، کیونکہ زندگی کے تمام ٹیڑھے راستے دوزخ ہی کی طرف جاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ کے بعض نادان فلسفیوں نے یہ دیکھ کر کہ انسانی زندگی پے درپے ایک انتہا سے دُوسری انتہا کی طرف دھکھاتی چلی جا رہی ہے، یہ غلط نتیجہ نکال لیا کہ ”جدالی عمل (Dialectical Process)“ انسانی زندگی کے



ارتقاء کا فطری طریق ہے۔ وہ اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھے کہ انسان کے ارتقاء کا راستہ یہی ہے کہ پہلے ایک انتہا پسندانہ دعویٰ (Thesis) اُسے ایک رُخ پر بہالے جائے، پھر اس کے جواب میں دُوسراؤیسا ہی انتہا پسندانہ دعویٰ (Antithesis) اُسے دُوسری انتہا کی طرف کھینچے، اور پھر دونوں کے امترانج انتہا پسندانہ دعویٰ (Synthesis) سے ارتقاء حیات کا راستہ بنے۔ حالانکہ دراصل یہ ارتقاء کی راہ نہیں ہے بلکہ بد نصیبی کے دھکے ہیں جو انسانی زندگی کے صحیح ارتقاء میں بار بار مانع ہو رہے ہیں۔ ہر انتہا پسندانہ دعویٰ زندگی کو اُس کے کسی ایک پہلو کی طرف موڑتا ہے اور اسے کھینچے لیے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ سواء السبیل سے بہت دور جا پڑتی ہے تو خود زندگی ہی کی بعض دُوسری حقیقتیں، جن کے ساتھ بے انصافی ہو رہی تھی، اس

کے خلاف بغاوت شروع کر دیتی ہیں اور یہ بغاوت ایک جوابی دعوے کی شکل اختیار کر کے اسے مخالف سمت میں کھینچنا شروع کرتی ہے۔ جوں جوں سواء السبیل قریب آتی ہے ان متصادم دعووں کے درمیان مصالحت ہونے لگتی ہے اور ان کے امتراج سے وہ چیزیں وجود میں آتی ہیں جو انسانی زندگی میں نافع ہیں۔ لیکن جب وہاں نہ سواء السبیل کے نشانات دکھانے والی روشنی موجود ہوتی ہے اور نہ اس پر ثابت قدم رکھنے والا ایمان، تو وہ جوابی دعویٰ زندگی کو اس مقام پر ٹھیک نہیں دیتا بلکہ اپنے زور میں اُسے دوسرا جانب انتہا تک کھینچتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ پھر زندگی کی کچھ دوسرا حقیقتوں کی نفی شروع ہو جاتی ہے اور نتیجہ میں ایک دوسرا بغاوت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اگر ان کم نظر فلسفیوں تک قرآن کی روشنی پہنچ گئی ہوتی اور انہوں نے سواء السبیل کو دیکھ لیا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انسان کے لیے ارتقاء کا صحیح راستہ یہی سواء السبیل ہے کہ خط مختصر پر ایک انتہا سے دوسرا انتہا کی طرف دھکے کھاتے پھرنا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 36 ▲

لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ”نصاری“ کا لفظ ”ناصرہ“ سے ماخوذ ہے جو مسیح علیہ السلام کا وطن تھا۔ دراصل اس کا مأخذ ”نصرت“ ہے، اور اس کی بنادہ قول ہے جو مسیح علیہ السلام کے سوال منْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ (خدا کی راہ میں کون لوگ میرے مددگار ہیں؟) اس کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا کہ نَحْنُ أَنْصَارٌ اللَّهِ (هم اللہ کے کام میں مددگار ہیں)۔ عیسائی مصنفوں کو بالعموم محض ظاہری مشاہدہ دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی کہ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ میں ناصریہ (Nazarenes) کے نام سے جو ایک فرقہ پایا جاتا تھا، اور جنہیں حقارت کے ساتھ ناصری اور ایسونی کہا جاتا تھا، انہی کے نام کو قرآن نے تمام عیسائیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم ”نصاری“ ہیں، اور یہ

ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے اپنا نام کبھی ناصری نہیں رکھا۔ (اس مسئلہ کی مزید تشریح کے لیے صفحہ نمبر ۵۱ پر ضمیمه میں الگ نوٹ درج ہے)۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 37

یعنی تمہاری بعض چوریاں اور خیانتیں کھول دیتا ہے جن کا کھولنا دین حق کو قائم کرنے لیے ناگزیر ہے، اور بعض سے چشم پوشی اختیار کر لیتا ہے جن کے کھولنے کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہے۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 38

”سلامتی“ سے مُراد غلط بینی، غلط اندیشی اور غلط کاری سے بچنا اور اس کے نتائج سے محفوظ رہنا ہے۔ جو شخص اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی زندگی سے روشنی حاصل کرتا ہے اُسے فکر و عمل کے ہر چورا ہے پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح ان غلطیوں سے محفوظ رہے۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 39

عیسائیوں نے ابتداءً مسیحؐ کی شخصیت کو انسانیت اور الوہیت کا مرکب قرار دے کر جو غلطی کی تھی، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے لیے مسیحؐ کی حقیقت ایک معما بن کر رہ گئی جسے اُن کے علماء نے لفاظی اور قیاس آرائی کی مدد سے حل کرنے کی جتنی کوشش کی اُتنے ہی زیادہ انجھتے چلے گئے۔ اُن میں سے جس کے ذہن پر اس مرکب شخصیت کے جزو انسانی نے غلبہ کیا اس نے مسیحؐ کے ابن اللہ ہونے اور تین مستقل خداوں میں سے ایک ہونے پر زور دیا۔ اور جس کے ذہن پر جزو الوہیت کا اثر زیادہ غالب ہوا اس نے مسیحؐ کو اللہ تعالیٰ کا جسمانی ظہور قرار دے کر عین اللہ بنادیا اور اللہ ہونے کی حیثیت ہی سے مسیحؐ کی عبادت کی۔ ان کے

در میان بیچ کی را جنہوں نے نکالنی چاہی انہوں نے سارا زور ایسی لفظی تعبیریں فراہم کرنے پر صرف کر دیا جن سے مسیح کو انسان بھی کہا جاتا رہے اور اس کے ساتھ خدا بھی سمجھا جاسکے، خدا اور مسیح الگ الگ بھی ہوں اور پھر ایک بھی رہیں۔ (ملاحظہ ہو سورہ نساء، حاشیہ نمبر ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۳)۔

### ▲ 40: سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر:

اس فقرے میں ایک لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ محض مسیح کی اعجازی پیدائش اور ان کے اخلاقی کمالات اور محسوس مجرمات کو دیکھ کر جو لوگ اس دھوکہ میں پڑ گئے کہ مسیح ہی خدا ہے وہ درحقیقت نہایت نادان ہیں۔ مسیح تو اللہ کے بے شمار عجائب تخلیق میں سے محض ایک نمونہ ہے جسے دیکھ کر ان ضعیف البصر لوگوں کی نگاہیں چوندھیا گئیں۔ اگر ان لوگوں کی نگاہ کچھ وسیع ہوتی تو انہیں نظر آتا کہ اللہ نے اپنی تخلیق کے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز نمونے پیش کیے ہیں اور اس کی قدرت کسی حد کے اندر محدود نہیں ہے۔ پس یہ بڑی بے دانشی ہے کہ مخلوق کے کمالات کو دیکھ کر اسی پر خالق ہونے کا گمان کر لیا جائے۔ دانشمند وہ ہیں جو مخلوق کے کمالات میں خالق کی عظیم الشان قدرت کے نشانات دیکھتے ہیں اور ان سے ایمان کا نور حاصل کرتے ہیں۔

### ▲ 41: سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر:

اس موقع پر یہ فقرہ نہایت بلغ و لطیف ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو خدا اپنے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے سمجھنے پر قادر تھا اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خدمت پر مامور کیا ہے اور وہ ایسا کرنے پر قادر تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس بشیر و نذیر کی بات نہ مانی تو یاد رکھو کہ اللہ قادر و تو انہے۔ ہر سزا جو وہ تمہیں دینا چاہے بلا مزاحمت دے سکتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقُولُونَ إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ أَنْبِيَاءً وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا وَأَتَكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعُلَمَاءِ ﴿٢٣﴾ يَقُولُونَ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقِلُبُوا خَسِيرِينَ ﴿٢٤﴾ قَالُوا يَمْوَسِي إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَارِينَ ﴿٢٥﴾ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَخِلُونَ ﴿٢٦﴾ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَلِيْبُونَ هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا يَمْوَسِي إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ فَادْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَّا قَعِدُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَآخِرِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفُسِيقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيمُهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسِ عَلَى الْقَوْمِ الْفُسِيقِينَ ﴿٣٠﴾

## رکو٤ ۲

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی اُس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اُس نے تم میں نبی پیدا کیے، تم کو فرماں روا بنا لیا، اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔<sup>42</sup> اے برادران قوم! اس مقدس سر زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے،<sup>43</sup> پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔<sup>44</sup> انہوں نے جواب دیا ”اے موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکلنہ جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لیے تیار ہیں“۔ اُن ڈرنے والوں میں دو شخص ایسے بھی تھے<sup>45</sup> جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ”ان جباروں کے مقابلہ میں دروازے کے اندر گھس جاؤ، جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو“۔ لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ ”اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب، دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں“۔ اس پر موسیٰ نے کہا ”اے میرے رب، میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی ذات یا میرا بھائی، پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کر دے“۔ اللہ نے جواب دیا ”اچھا تو وہ ملک چالیس<sup>۴۰</sup> سال تک ان پر حرام ہے، یہ زمین میں مارے مارے پھریں گے،<sup>46</sup> ان نافرمانوں کی حالت پر ہرگز ترس نہ کھاؤ“۔<sup>47</sup>

## ▲ 42: نمبر حاشیہ المائدہ سورۃ

یہ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی اُس عظمت گذشتہ کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کسی زمانہ میں اُن کو حاصل تھی۔ ایک طرف حضرت ابراہیم<sup>3</sup>، حضرت اسحاق<sup>3</sup>، حضرت یعقوب<sup>3</sup> اور حضرت

یوسفؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر ان کی قوم میں پیدا ہوئے۔ اور دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اور ان کے بعد مصر میں ان کو بڑا اقتدار نصیب ہوا۔ مدتِ دراز تک یہی اس زمانہ کی مہذب دنیا کے سب سے بڑے فرماں رو اتنے اور انہی کا سکھ مصر اور اس کے نواح میں رواں تھا۔ عموماً لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیؑ سے شروع کرتے ہیں، لیکن قرآن اس مقام پر تصریح کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل زمانہ عروج حضرت موسیؑ سے پہلے گزر چکا تھا جسے خود حضرت موسیؑ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار ماضی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 43

اس سے مراد فلسطین کی سر زمین ہے جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا مسکن رہ چکی تھی۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکل آئے تو اسی سر زمین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ جا کر اسے فتح کرلو۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 44

حضرت موسیؑ کی یہ تقریر اس موقع کی ہے جب مصر سے نکلنے کے تقریباً دو سال بعد آپ اپنی قوم کو لیے ہوئے دشتِ فاران میں نیمہ زن تھے۔ یہ بیان جزیرہ نماۓ سینا میں عرب کی شمالی اور فلسطین کی جنوبی سرحد سے متصل واقع ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 45

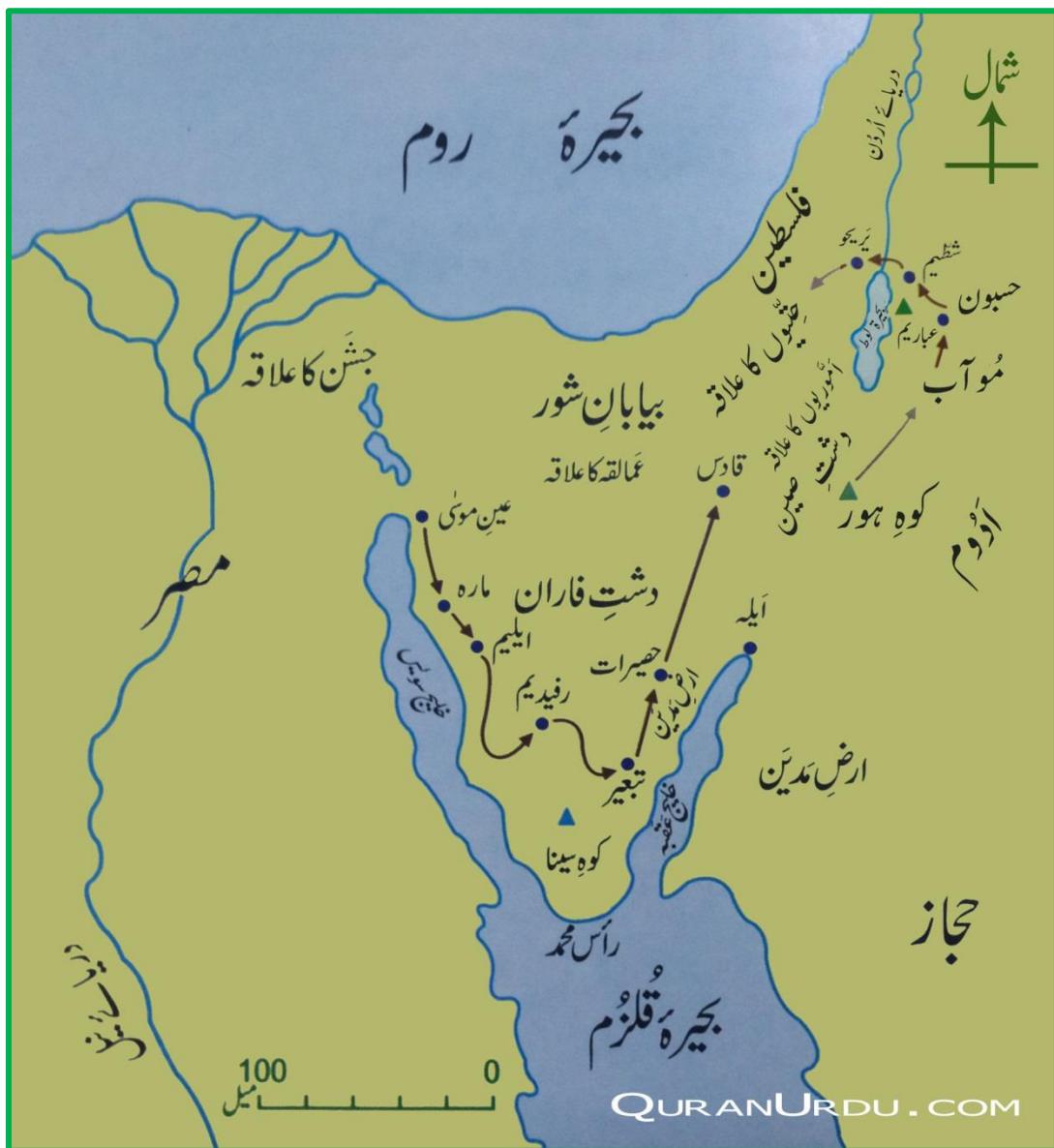
قَالَ رَجُلًاٌ مِّنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ جباروں سے ڈر رہے تھے ان کے درمیان سے دو شخص بول اٹھے۔ دوسرا یہ کہ جو لوگ خدا سے ڈرنے والے تھے ان میں سے

دو شخصوں نے یہ بات کہی۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 46 ▲

اس قصے کی تفصیلات بائیبل کی کتاب گنتی، استثناء اور یشوع میں ملیں گی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے دشتِ فاران سے بنی اسرائیل کے 12 سرداروں کو فلسطین کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ یہ لوگ چالیس دن دورہ کر کے وہاں سے واپس آئے اور انہوں نے قوم کے مجمع عام میں بیان کیا کہ واقعی وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، ”لیکن جو لوگ وہاں بے ہوئے ہیں وہ زور آور ہیں۔ ہم اس لاکن نہیں ہیں کہ ان لوگوں پر حملہ کریں۔۔۔ وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب بڑے قد آور ہیں اور ہم نے وہاں بنی عنان کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں، اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔“ یہ بیان سُن کر سارا مجمع چیخ اٹھا کہ ”اے کاش ہم مصر ہی میں مر جاتے! یا کاش اس بیان ہی میں مرتے! خداوند، کیوں ہم کو اس ملک میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے؟ پھر تو ہماری بیویاں اور بال بچے لوٹ کامال ٹھیکریں گے۔ کیا ہمارے لیے بہتر نہ ہو گا کہ ہم مصر کو واپس چلے جائیں؟“ پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ آؤ ہم کسی کو اپنا سردار بنالیں اور مصر کو لوٹ چلیں۔ اس پر اُن بارہ سرداروں میں سے، جو فلسطین کے دورے پر بھیجے گئے تھے، دوسردار، یوشع اور کالب اُٹھے اور انہوں نے اس بُزدلی پر قوم کو ملامت کی۔ کالب نے کہا ”چلو ہم ایک دم جا کر اس ملک پر قبضہ کر لیں، کیونکہ ہم اس قابل ہیں کہ اس پر تصرف کریں۔“ پھر دونوں نے یک زبان ہو کر کہا ”اگر خدا ہم سے راضی رہے تو وہ ہم کو اس ملک میں پہنچائے گا۔۔۔ فقط اتنا ہو کہ تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ اس ملک کے لوگوں سے ڈرو۔۔۔ اور ہمارے ساتھ خداوند ہے سوان کا خوف

## بنی اسرائیل کی صحرانوردی 1/2



شرح:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نماۓ سینا میں مارہ، ایلیم اور فیدیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے کچھ زائد مدت تک اس مقام پر ٹھیکرے رہے۔ یہیں تورات کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے۔ پھر آپ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور

## بُنی اسرائیل کی صحرانور دی 2/2

اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بُنی اسرائیل کو لیے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشتِ فاران میں تشریف لائے اور یہاں سے آپ نے ایک وفد فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ قادس کے مقام پر اس وفد نے آکر اپنی رپورٹ پیش کی۔ حضرت یوشع اور کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ نہایت حوصلہ شکن تھی۔ جسے سن کر بُنی اسرائیل چیخ اٹھے اور نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نت حکم دیا کہ اب یہ چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل، یوشع اور کالب کے سوا فلسطین کی شکل نہ دیکھنے پائے گی۔ اس کے بعد بُنی اسرائیل دشتِ فاران، بیابانِ شور اور دشتِ صین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور عمَالقہ، آمُوریوں، آدُومیوں، مدیانیوں اور موآب کے لوگوں سے لڑتے بھڑتے رہے۔ جب چالیس سال گزرنے کے قریب آئے کو آذوم کی سرحد کے قریب کوہِ ہور پر حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات پائی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بُنی اسرائیل کو لیے ہوئے موآب کے علاقے میں داخل ہوئے اس پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے۔ یہاں کوہِ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اول حضرت یوشع علیہ السلام نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کر کے شہر یہو (اریحا) کو فتح کیا۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بُنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔ پھر ایک قلیل مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہو گیا۔ اس نقشے میں آیلہ (قدیم نام آیلات اور موجودہ نام عقبہ) وہ مقام ہے جہاں غالباً اصحاب السبت کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورۃ البقرۃ رکوع 8، سورۃ اعراف رکوع 21 میں آیا ہے۔

نہ کرو۔“ مگر قوم نے اس کا جواب یہ دیا کہ ”انہیں سنگسار کر دو۔“ آخر کار اللہ تعالیٰ کا غصب بھڑکا اور اس نے فیصلہ فرمایا کہ اچھا بیو شع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اُس سرز میں میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس برس تک بے خانماں پھرتی رہے گی، یہاں تک کہ جب ان میں سے ۲۰ برس سے لے کر اوپر کی عمر تک کے سب مرد مر جائیں گے اور نئی نسل جوان ہو کر اٹھے گی تب انہیں فلسطین فتح کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ چنانچہ اس فیصلہِ خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو دشتِ فاران سے شرق اردن تک پہنچتے پہنچتے پورے ۳۸ برس لگ گئے۔ اس دوران میں وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر سے مصر سے نکلے تھے۔ شرق اردن فتح کرنے کے بعد حضرت موسیٰؐ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت یُوش بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 47 ▲

یہاں اس واقعہ کا حوالہ دینے کی غرض سلسلہ بیان پر غور کرنے سے صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ قصہ کے پیرا یہ میں دراصل بنی اسرائیل کو یہ جتنا مقصود ہے کہ موسیٰؐ کے زمانہ میں نافرمانی، انحراف اور پست ہمتی سے کام لے کر جو سزا تم نے پائی تھی، اب اس سے بہت زیادہ سخت سزا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں با غیانہ روشن اختیار کر کے پاؤ گے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأً أَبْنَى أَدْمَرِ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَبَا قُرْبَانًا فَتُقْسِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقْبَلْ مِنَ الْآخِرِ قَالَ لَا قُتْلَنَاكَ طَقَالِ إِنَّمَا يَتَقْبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسْطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا آنَا بِبَاسِطٍ يَدِي إِلَيْكَ لَا قُتْلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعُلَمَاءِ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوا بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَشَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزْءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَاصْبَحَ مِنَ الْخَسِيرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيهِ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يُوَيلَتَى أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوْءَةَ أَخِي فَاصْبَحَ مِنَ النَّذِيمِينَ ۝ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمْ سُرِفُونَ ۝ إِنَّمَا جَزْءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصْلَبُوا أَوْ تُقْطَعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ حِزْمٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

## دکوع ۵

اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنادو۔ جب اُن دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اُس نے کہا ”میں تجھے مارڈالوں گا“۔ اس نے جواب دیا ”اللہ تو متقيوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔<sup>48</sup> اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا،<sup>49</sup> میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے<sup>50</sup> اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے خلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کو ابھیجا جوز میں کھونے لگاتا کہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا افسوس مجھ پر! میں اس کوئے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔<sup>51</sup> اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتا یا۔<sup>52</sup>

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا<sup>53</sup> کہ ”جس نے کسی انسان کو خون کے بدالے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔“<sup>54</sup> مگر اُن کا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پر درپے ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا

کریں <sup>55</sup> اُن کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا شوی پر چڑھائے جائیں، یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ <sup>56</sup> یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں اُن کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔۔۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ معاف کرنے والا اور حم فرمانے والا ہے۔ <sup>57</sup> <sup>58</sup>

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 48 ▲

یعنی تیری قربانی اگر قبول نہیں ہوئی تو یہ میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ میں تقویٰ نہیں ہے، لہذا میری جان لینے کے بجائے تجھ کو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 49 ▲

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے آئے گا تو میں ہاتھ باندھ کر تیرے سامنے قتل ہونے کے لیے بیٹھ جاؤں گا اور مدافعت نہ کروں گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو میرے قتل کے درپے ہوتا ہے تو ہو، میں تیرے قتل کے درپے نہ ہوں گا۔ تو میرے قتل کی تدبیر میں لگنا چاہے تو تجھے اختیار ہے، لیکن میں یہ جاننے کے بعد بھی کہ تو میرے قتل کی تیاریاں کر رہا ہے، یہ کوشش نہ کروں گا کہ پہلے میں ہی تجھے مار ڈالوں۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کسی شخص کا اپنے آپ کو خود قاتل کے آگے پیش کر دینا اور ظالمانہ حملہ کی مدافعت نہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ البتہ نیکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میرے قتل کے درپے ہو اور میں جانتا ہوں کہ وہ میری گھات میں لگا ہوا ہے، تب بھی میں اس کے قتل کی فکر نہ کروں اور اسی بات کو ترجیح دوں کہ ظالمانہ اقدام اُس کی طرف سے ہونہ کہ میری طرف سے۔ یہی مطلب تھا اس بات کا جو آدم علیہ السلام کے اس نیک بیٹے نے کی۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 50 ▲

یعنی بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کے قتل کی سعی میں ہم دونوں گناہ گار ہوں، میں اس کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دونوں کا گناہ تنہا تیرے ہی حصہ میں آجائے، تیرے اپنے قاتلانہ اقدام کا گناہ بھی، اور اس نقصان کا گناہ بھی جو اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے تجھے پہنچ جائے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 51 ▲

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کے ذریعہ سے آدم کے اس غلط کاربیٹ کو اس کی جہالت و نادانی پر متنبہ کیا، اور جب ایک مرتبہ اس کو اپنے نفس کی طرف توجہ کرنے کا موقع مل گیا تو اس کی ندامت صرف اسی بات تک محدود نہ رہی کہ وہ لاش چھپانے کی تدبیر نکالنے میں کوئے سے پچھے کیوں رہ گیا، بلکہ اس کو یہ بھی احساس ہونے لگا کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر کے کتنی بڑی جہالت کا شہود دیا ہے۔ بعد کافقرہ کہ وہ اپنے کیے پر پچھتا یا، اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 52 ▲

یہاں اس واقعہ کا ذکر کرنے سے مقصد یہودیوں کو ان کی اُس سازش پر لطیف طریقہ سے ملامت کرنا ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جلیل القدر صحابہ کو قتل کرنے کے لیے کی تھی (ملاحظہ ہوا سی سورۃ کا حاشیہ نمبر ۳۰)۔ دونوں واقعات میں مماثلت بالکل واضح ہے۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے ان اُمیموں کو قبولیت کا درجہ عطا فرمایا اور ان پر اُن کتاب کو رد کر دیا، سر اس سنبھاد پر تھی کہ ایک طرف تقویٰ تھا اور دوسری طرف تقویٰ نہ تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ لوگ جنہیں رد کر دیا گیا تھا،

اپنے مردود ہونے کی وجہ پر غور کرتے اور اُس قصور کی تلافی کرنے پر مائل ہوتے جس کی وجہ سے وہ رد کیے گئے تھے، ان پر ٹھیک اُسی جاہلیت کا دورہ پڑ گیا جس میں آدم کا وہ غلط کار بیٹا بتلا ہوا تھا، اور اُسی کی طرح وہ ان لوگوں کے قتل پر آمادہ ہو گئے جنہیں خدا نے قبولیت عطا فرمائی تھی۔ حالانکہ ظاہر تھا کہ ایسی جاہلانہ حرکتوں سے وہ خدا کے مقبول نہ ہو سکتے تھے، بلکہ یہ کرتوں انہیں اور زیادہ مردود بنادیں والے تھے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 53 ▲

یعنی چونکہ بنی اسرائیل کے اندر انہی صفات کے آثار پائے جاتے تھے جن کا اظہار آدم کے اس ظالم بیٹے نے کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل نفس سے باز رہنے کی سخت تاکید کی تھی اور اپنے فرمان میں یہ الفاظ لکھے تھے۔ افسوس ہے کہ آج جو بائیبل پائی جاتی ہے وہ فرمانِ خداوندی کے ان قیمتی الفاظ سے خالی ہے۔ البتہ تلمود میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ”جس نے اسرائیل کی ایک جان کو ہلاک کیا، کتاب اللہ کی نگاہ میں اس نے گویا ساری دنیا کو ہلاک کیا، اور جس نے اسرائیل کی ایک جان کو محفوظ رکھا، کتاب اللہ کی نزدیک اس نے گویا ساری دنیا کی حفاظت کی“۔ اسی طرح تلمود میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قتل کے مقدمات میں بنی اسرائیل کے قاضی گواہوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ ”جو شخص ایک انسان کی جان ہلاک کرتا ہے وہ ایسی باز پرس کا مستحق ہے کہ گویا اس نے دنیا بھر کے انسانوں کو قتل کیا ہے۔“

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 54 ▲

مطلوب یہ ہے کہ دنیا میں نوعِ انسانی کی زندگی کا بقا مخصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء و تحفظ میں مدد گار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناقص کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے

کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہذا وہ پوری انسانیت کا دُشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افرادِ انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 55 ▲

زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو۔ اور خدا اور رسول سے لڑنے کا مطلب اُس نظامِ صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے اور اسی کے لیے اس نے اپنار رسول بھیجا تھا کہ زمین میں ایک ایسا صالح نظام قائم ہو جو انسان اور حیوان اور درخت اور ہر اُس چیز کو جوز میں پر ہے، امن بخشے، جس کے تحت انسانیت اپنی فطرت کے کمال مطلوب کو پہنچ سکے، جس کے تحت زمین کے وسائل اس طرح استعمال کیے جائیں کہ وہ انسان کی ترقی میں مدد گار ہوں نہ کہ اس کی تباہی و بر بادی میں۔ ایسا نظام جب کسی سر زمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے پیانے پر قتل و غارت اور رہنمی و ڈکیتی کی حد تک ہو یا بڑے پیانے پر اس صالح نظام کو اُلنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لیے، دراصل وہ خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیراتِ ہند میں ہر اُس شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ اُلنے کی کوشش کرے ”بادشاہ کے خلاف لڑائی (Waging war against the King)“ کا مجرم قرار دیا گیا، چاہے اس کی کارروائی ملک کے کسی دُور دراز گوشے میں ایک معمولی سپاہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بادشاہ اس کی دست

رس سے کتنا ہی دور ہو۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 56 ▲

یہ مختلف سزاویں بر سبیل اجمال بیان کر دی گئی ہیں تاکہ قاضی یا امام وقت اپنے اجتہاد سے ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے۔ اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کو اُللّه کی کوشش کرنا بدترین جرم ہے اور اسے ان انتہائی سزاویں میں سے کوئی سزادی جاسکتی ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 57 ▲

یعنی اگر وہ سمعی فساد سے باز آگئے ہوں، اور صاحح نظام کو درہم برہم کرنے یا اُللّه کی کوشش چھوڑ چکے ہوں، اور اُن کا بعد کا طرزِ عمل ثابت کر رہا ہو کہ وہ امن پسند، مطبع قانون، اور نیک چلن انسان بن چکے ہیں، اور اس کے بعد اُن کے سابق جرائم کا پتہ چلے، تو اُن سزاویں میں سے کوئی سزا اُن کو نہ دی جائے گی جو اُپر بیان ہوئی ہیں۔ البتہ آدمیوں کے حقوق پر اگر کوئی دست درازی انہوں نے کی تھی تو اس کی ذمہ داری ان پر سے ساقط نہ ہو گی۔ مثلاً اگر کسی انسان کو انہوں نے قتل کیا تھا یا کسی کامال لیا تھا یا کوئی اور جرم انسانی جان و مال کے خلاف کیا تھا تو اسی جرم کے بارے میں فوجداری مقدمہ ان پر قائم کیا جائے گا، لیکن بغاوت اور غدّاری اور خدا اور رسول کے خلاف محاربہ کا کوئی مقدمہ نہ چلا یا جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ  
 تُفْلِحُونَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْا أَنَّ رَهْمَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ  
 مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبِلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٦﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ  
 النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَرِيجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٢٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطُعُوا  
 أَيْدِيهِمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبُوا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ  
 ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ  
 السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٠﴾  
 يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَاتَلُوا أَمَنَّا بِآفَوَاهِهِمْ وَ  
 لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ثُمَّ سَمَعُونَ لِكَذِبِ سَمَاعُونَ لِقَوْمٍ أَخَرِينَ لَمْ  
 يَأْتُوكَ مُحَرِّفُونَ الْكَلِمَةَ مِنْ بَعْدِ مَا وَاضَعُهُ يَقُولُونَ إِنَّ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ  
 فَأَحْذَرُوكَ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدْ  
 اللَّهُ أَنْ يُظَهِّرْ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خَرْجٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣١﴾ سَمَاعُونَ  
 لِكَذِبِ الْكُلُونَ لِسُسْحَتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ

عَنْهُمْ فَلَنْ يَضْرُوكُ شَيْئًاٌ وَ إِنْ حَكْمَتْ فَالْحُكْمُ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطٌِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
الْمُقْسِطِينَ ﴿٣٧﴾ وَ كَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْزِيدُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّنَ مِنْ  
بَعْدِ ذَلِكَ ۝ وَ مَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾

رکو ۶

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو <sup>58</sup> اور اس کی راہ میں جدو جہد کرو، <sup>59</sup> شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے۔ خوب جان لو کہ جن لوگوں نے کفر کارویہ اختیار کیا ہے، اگر ان کے قبضہ میں ساری زمین کی دولت ہو اور اتنی ہی اور اس کے ساتھ، اور وہ چاہیں کہ اسے فدیہ میں دے کر روزِ قیامت کے عذاب سے نج جائیں، تب بھی وہ ان سے قبول نہ کی جائے گی اور انہیں دردناک سزا مل کر رہے گی۔ وہ چاہیں گے کہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور انہیں قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، <sup>60</sup> یہ اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ داناہ پینا ہے۔ پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی، <sup>61</sup> اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک ہے؟ جسے چاہے سزادے اور جسے چاہے معاف کر دے، وہ ہر چیز کا اختیار رکھتا ہے۔

اے پیغمبر! تمہارے لیے باعث رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھار ہے ہیں۔<sup>62</sup> خواہ وہ ان میں سے ہوں جو منہ سے کہتے ہیں، ہم ایمان لائے مگر دل ان کے ایمان نہیں لائے، یا ان میں سے ہوں جو یہودی بن گئے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے کان لگاتے ہیں،<sup>63</sup> اور دوسرے لوگوں کی خاطر، جو تمہارے پاس کبھی نہیں آئے، سُن گُن لیتے پھرتے ہیں،<sup>64</sup> کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں،<sup>65</sup> اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو، نہیں تو نہ مانو۔<sup>66</sup> جسے اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہوا اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کچھ نہیں کر سکتے،<sup>67</sup> یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنाह چاہا،<sup>68</sup> ان کے لیے دُنیا میں رُسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا۔

یہ جھوٹ سُننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں،<sup>69</sup> لہذا اگر یہ تمہارے پاس اپنے مقدمات لے کر یہ آئیں تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کر دو۔ انکار کر دو تو یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔۔۔۔۔<sup>70</sup> اور یہ تمہیں کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراة موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں؟<sup>71</sup> اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔۔۔۔۔

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 58 ▲

یعنی ہر اس ذریعہ کے طالب اور جو یاں رہوں جس سے تم اللہ کا تقریب حاصل کر سکو اور اس کی رضا کو پہنچ سکو۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 59 ▲

اصل میں لفظ جاہِدُو استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم محض "جد و جہد" سے پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ مجاہدہ کا لفظ مقابلہ کا مقتضی ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ کی راہ میں مزاحم ہیں، جو تم کو خدا کی مرضی کے مطابق چلنے سے روکتی اور اس کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں، جو تم کو پوری طرح خدا کا بندہ بن کر نہیں رہنے دیتیں اور تمیں اپنا یا کسی غیر اللہ کا بندہ بننے پر مجبور کرتی ہیں، ان کے خلاف اپنی تمام امکانی طاقتیوں سے کشمکش اور جد و جہد کرو۔ اسی جد و جہد پر تمہاری فلاح و کامیابی کا اور خدا سے تمہارے تقرب کا انحصار ہے۔

اس طرح یہ آیت بندہ مومن کو ہر محاذ پر چوکھی لڑائی لڑنے کی ہدایت کرتی ہے۔ ایک طرف اپلیس لعین اور اس کا شیطانی لشکر ہے۔ دوسری طرف آدمی کا اپنا نفس اور اس کی سرکش خواہشات ہیں۔ تیسرا طرف خدا سے پھرے ہوئے بہت سے انسان ہیں جن کے ساتھ آدمی ہر قسم کے معاشرتی، تمدنی اور معاشی تعلقات میں بندھا ہوا ہے۔ چوتھی طرف وہ غلط مذہبی، تمدنی اور سیاسی نظام ہیں جو خدا سے بغاوت پر قائم ہوئے ہیں اور بندگی حق کے بجائے بندگی باطل پر انسان کو مجبور کرتے ہیں۔ ان سب کے حریبے مختلف ہیں مگر سب کی ایک ہی کوشش ہے کہ آدمی کو خدا کے بجائے اپنا مطبع بنائیں۔ بخلاف اس کے آدمی کی ترقی کا اور تقرب خداوندی کے مقام تک اس کے گردونج کا انحصار بالکلیہ اس پر ہے کہ وہ سراسر خدا کا مطبع اور باطن سے لے کر ظاہر تک خالصتہ اس کا بندہ بن جائے۔ لہذا اپنے مقصود تک اس کا پہنچنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان تمام مانع و مزاحم قوتیوں کے خلاف بیک وقت جنگ آزمہ ہو، ہر وقت ہر حال میں ان سے

لشکش کرتا رہے اور ان ساری رُکاوٹوں کو پامال کرتا ہو اخدا کی راہ میں بڑھتا چلا جائے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 60 ▲

دونوں ہاتھ نہیں بلکہ ایک ہاتھ۔ اور اُمّت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ لا قطع علی خائن۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرقہ کا اطلاق خیانت وغیرہ پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضہ میں کر لے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایک ڈھال کی قیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں برداشت عبد اللہ بن عباس<sup>رض</sup> دس درہم، برداشت ابن عمر<sup>رض</sup> تین درہم، برداشت انس بن مالک<sup>رض</sup> پانچ درہم اور برداشت حضرت عائشہ<sup>رض</sup> ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔ اسی اختلاف کی بناء پر فقہا کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے اور امام مالک<sup>رض</sup> شافعی<sup>رض</sup> اور احمد<sup>رض</sup> کے نزدیک چوتھائی دینار۔ (اس زمانہ کے درہم میں تین ماشہ  $\frac{1}{5}$  رتی چاندی ہوتی تھی۔ اور ایک چوتھائی دینار ۳ درہم کے برابر تھا)۔

پھر بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ لا قطع فی ثمرة ولا كثر (پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔

لا قطع فی طعام (کھانے کی چوری میں قطع یہ نہیں ہے)۔ اور حضرت عائشہ<sup>رض</sup> کی حدیث ہے کہ لم یکن قطع السارق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الشیع التافه (حقیر

چیزوں کی چوری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا)۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا فیصلہ ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے کہ لا قطع فی الطیر (پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)۔ نیز سیدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اور اس معاملہ میں بھی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ ان مآخذ کی بنیاد پر مختلف ائمہ فقہے نے مختلف چیزوں کو قطع یہد کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؓ کے نزدیک ترکاریاں، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیان نہ کیا گیا ہو، کھیل اور گانے بجانے کے آلات وہ چیزیں ہیں جن کی چوری میں قطع یہد کی سزا نہیں ہے۔ نیز جنگل میں چرتے ہوئے جانوروں کی چوری اور بیت المال کی چوری میں بھی وہ قطع یہد کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی بعض چیزوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان چوریوں پر سرے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ان جرائم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 61

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کٹنے کے بعد جو شخص توبہ کر لے اور اپنے نفس کو چوری سے پاک کر کے اللہ کا صالح بندہ بن جائے وہ اللہ کے غضب سے نج جائے گا، اور اللہ اس کے دامن سے اس داغ کو دھو دے گا۔ لیکن اگر کسی شخص نے ہاتھ کٹوانے کے بعد بھی اپنے آپ کو بد نیتی سے پاک نہ کیا اور وہی گندے جذبات اپنے اندر پرورش کیے جن کی بنا پر اس نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہاتھ تو اس کے بدن سے جدا ہو گیا مگر چوری اس کے نفس میں بدستور موجود ہی، اس وجہ سے وہ خدا کے غضب کا اسی طرح مستحق رہے گا جس طرح ہاتھ کٹنے سے پہلے تھا۔ اسی

لیے قرآن مجید چور کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے معافی مانگے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ کیونکہ ہاتھ کاٹنا تو انتظامِ تمدن کے لیے ہے۔ اس سزا سے نفس پاک نہیں ہو سکتا۔ نفس کی پاکی صرف توبہ اور رجوعِ الی اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ ایک چور کا ہاتھ جب آپ کے حکم کے مطابق کاٹا جا چکا تو آپ نے اُسے اپنے پاس بلا�ا اور اس سے فرمایا: قل اسْتَغْفِرْ اللَّهُ وَا تُوبُ إِلَيْهِ۔ ”کہہ میں خدا سے معافی چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں“۔ اُس نے آپ کی تلقین کے مطابق یہ الفاظ کہے۔ پھر آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ **اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ**۔ ”خدا یا اسے معاف فرمادے“۔

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 62

یعنی جن کی ذہانتیں اور سرگرمیاں ساری کی ساری اس کوشش میں صرف ہو رہی ہیں کہ جاہلیت کی جو حالت پہلے سے چلی آرہی ہے وہی برقرار رہے اور اسلام کی یہ اصلاحی دعوت اُس بگاڑ کو درست کرنے میں کامیاب نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ تمام اخلاقی بندشوں سے آزاد ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر قسم کی روکیک سے روکیک چالیں چل رہے تھے۔ جان بوجھ کر حقِ یگل رہے تھے۔ نہایت بے باکی و جسارت کے ساتھ جھوٹ، فریب، دغا اور مکر کے ہتھیاروں سے اُس پاک انسان کے کام کو شکست دینے کی کوشش کر رہے تھے جو کام بے غرضی کے ساتھ سراسر خیر خواہی کی بنا پر عام انسانوں کی اور خود ان کی فلاح و بہبود کے لیے شب و روز محنت کر رہا تھا۔ ان کی ان حرکات کو دیکھ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل گڑھتا تھا، اور یہ گڑھنا بالکل فطری امر تھا۔ جب کسی پاکیزہ انسان کو پست اخلاق لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے اور وہ محض اپنی جہالت اور خود غرضی و تنگ نظری کی بنا پر اس کی خیر خواہانہ مسامی کو روکنے کے لیے گھٹیا درجہ

کی چال بازیوں سے کام لیتے ہیں تو فطرہ اُس کا دل دُکھنا ہی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشاء یہ نہیں ہے کہ ان حرکات پر جو فطری رنج آپ کو ہوتا ہے وہ نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ منشاء دراصل یہ ہے کہ اس سے آپ دل شکستہ نہ ہوں، ہمت نہ ہاریں، صبر کے ساتھ بندگانِ خدا کی اصلاح کے لیے کام کیے چلے جائیں۔ رہے یہ لوگ، تو جس قسم کے ذلیل اخلاق انہوں نے اپنے اندر پرورش کیے ہیں اُن کی بنا پر یہ روش ان سے عین متوقع ہے، کوئی چیز ان کی اس روش میں خلاف توقع نہیں ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 63 ▲

اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ یہ لوگ چونکہ خواہشات کے بندے بن گئے ہیں اس لیے سچائی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جھوٹ ہی انہیں پسند آتا ہے اور اسی کو یہ جی لگا کر سُنتے ہیں، کیونکہ ان کے نفس کی پیاس اُسی سے بُجھتی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مجلسوں میں یہ جھوٹ کی غرض سے آکر بیٹھتے ہیں تاکہ یہاں جو کچھ دیکھیں اور جو باتیں سُنیں اُن کو اُنے معنی پہنانا کر یا ان کے ساتھ اپنی طرف سے غلط باتوں کی آمیزش کر کے آنحضرت اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے لوگوں میں پھیلانیں۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 64 ▲

اس کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ جاسوس بن کر آتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مجلسوں میں اس لیے گشت لگاتے پھرتے ہیں کہ کوئی راز کی بات کان میں پڑے تو اسے آپ کے دُشمنوں تک پہنچائیں۔ دوسرے یہ کہ جھوٹے الزامات عائد کرنے اور افتراض دازیاں کرنے کے لیے مواد فراہم کرتے پھرتے ہیں تاکہ اُن لوگوں میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلانیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

مسلمانوں سے براہ راست تعلقات پیدا کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 65 ▲

یعنی تورات کے جو احکام ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کے اندر جان بوجھ کر روبدل کرتے ہیں اور الفاظ کے معنی بدل کر من مانے احکام ان سے نکالتے ہیں

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 66 ▲

یعنی جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتارہے ہیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 67 ▲

”اللہ کی طرف سے کسی کے فتنہ میں ڈالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر اللہ تعالیٰ کسی قسم کے بُرے میلانات پر ورش پاتے دیکھتا ہے اس کے سامنے پے درپے ایسے موقع لاتا ہے جن میں اس کی سخت آزمائش ہوتی ہے۔ اگر وہ شخص ابھی بُرائی کی طرف پوری طرح نہیں جھکا ہے تو ان آزمائشوں سے منجھل جاتا ہے اور اس کے اندر بدی کا مقابلہ کرنے کے لیے نیکی کی جو قوتیں موجود ہوتی ہیں وہ ابھر آتی ہیں۔ لیکن اگر وہ بُرائی کی طرف پوری طرح جھک چکا ہوتا ہے اور اس کی نیکی اس کی بدی سے اندر ہی اندر شکست کھا جکی ہوتی ہے تو ہر ایسی آزمائش کے موقع پر وہ اور زیادہ بدی کے پھندے میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وہ فتنہ ہے جس سے کسی بگڑتے ہوئے انسان کو بچالینا اس کے کسی خیر خواہ کے بس میں نہیں ہوتا۔ اور اس فتنہ میں صرف افراد ہی نہیں ڈالے جاتے بلکہ قومیں بھی ڈالی جاتی ہیں۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 68 ▲

اس لیے کہ انہوں نے خود پاک ہونا نہ چاہا۔ جو خود پاکیزگی کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے اُسے پاکیزگی سے محروم کرنا اللہ کا دستور نہیں ہے۔ اللہ پاک کرنا اُسی کو نہیں چاہتا جو خود پاک ہونا نہیں چاہتا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 69 ▲

یہاں خاص طور پر اُن کے مفتیوں اور قاضیوں کی طرف اشارہ ہے جو جھوٹی شہادتیں لے کر اور جھوٹی رو دادیں سن کر اُن لوگوں کے حق میں انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے جن سے انہیں رشوت پہنچ جاتی تھی یا جن کے ساتھ ان کے ناجائز مفاد وابستہ ہوتے تھے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 70 ▲

یہودی اس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات معاهدات پر مبنی تھے۔ ان معاهدات کی رو سے یہودیوں کو اپنے اندر ونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور ان کے مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق اُن کے اپنے حج کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کے لیے وہ ازوئے قانون مجبور نہ تھے۔ لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے اُن کا فیصلہ کرانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔

یہاں خاص طور پر جس مقدمہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ تورات کی رُو سے ان کی سزا رجم تھی، یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے (استثناء۔ باب ۲۲۔ آیت ۲۳۔ ۲۴) لیکن یہودی اس سزا کو نافذ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پنج بنایا جائے۔ اگر وہ رجم کے سوا کوئی اور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے اور رجم ہی کا حکم دیں تو نہ قبول کیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے رجم کا حکم دیا۔ انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ اس پر آپ نے پوچھا تمہارے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کوڑے مارنا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنا۔ آپ نے ان کے علماء کو قسم دے کر ان سے پوچھا، کیا تورات میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی یہی سزا ہے؟ انہوں نے پھر وہی جھوٹا جواب دیا۔ لیکن ان میں سے ایک شخص ابن صوریا، جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں تورات کا سب سے بڑا عالم تھا، خاموش رہا۔ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تجھے اُس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور ٹور پر تمہیں شریعت عطا کی، کیا واقعی تورات میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ”اگر آپ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تور جم ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انہیں رجم کر دیا جاتا۔ پھر جب اس سے عوام میں ناراضی پیدا ہونے لگی تو ہم نے تورات کے قانون کو بدل کر یہ قاعدہ بنالیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور انہیں منہ کالا کر کے گدھے پر اُلطے منہ سوار کیا جائے۔“ اس کے بعد یہودیوں کے لیے کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 71 ▲

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بد دیانتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ ”مذہبی لوگ“ جنہوں نے تمام عرب پر اپنی دینداری اور اپنے علم کتاب کا سکھ جمار کھاتھا، ان کی حالت یہ تھی کہ جس کتاب کو خود کتاب اللہ مانتے تھے اور جس پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے اُس کے حکم کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ لائے تھے جن کے پیغمبر ہونے سے ان کو بشدت انکار تھا۔ اس سے یہ راز بالکل فاش ہو گیا کہ یہ کسی چیز پر بھی صداقت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے، دراصل ان کا ایمان اپنے نفس اور اس کی خواہشات پر ہے، جسے کتاب اللہ مانتے ہیں اس سے صرف اس لیے منہ موڑتے ہیں کہ اس کا حکم ان کے نفس کو ناگوار ہے، اور جسے معاذ اللہ جھوٹا مدعی نبوت کہتے ہیں اس کے پاس صرف اس امید پر جاتے ہیں کہ شاید وہاں سے کوئی ایسا فیصلہ حاصل ہو جائے جو ان کے منشاء کے مطابق ہو۔

رَكْوَعٍ

إِنَّا آنَزَلْنَا التَّوْرِيْةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوا لِلَّذِيْنَ  
هَادُوا وَ الرَّبِّيْنَ وَ الْأَحْبَارُ بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتْبِ اللَّهِ وَ كَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا  
تَخْشُو النَّاسَ وَ اخْشُوْنَ وَ لَا تَشْتَرُوا بِمَا يُتْبَعِيْنَ قَلِيلًا طَ وَ مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا آنَزَ اللَّهُ  
فَأُولَئِكَ هُمُ الْكُفَّارُ ﴿٢٣﴾ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا آنَ النَّفَسَ بِالنَّفْسِ طَ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ  
وَ الْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَ الْأُذْنَ بِالْأُذْنِ وَ السِّينَ بِالسِّينِ طَ وَ الْجُرُوحَ قِصَاصٌ طَ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ  
كَفَّارَةً لَهُ طَ وَ مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا آنَزَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٤﴾ وَ قَفَّيْنَا عَلَى أَثَارِهِمْ  
بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرِيْةِ طَ وَ أَتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَ  
نُورٌ طَ وَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرِيْةِ وَ هُدًى وَ مَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَ لَيَحْكُمُ  
أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا آنَزَ اللَّهُ فِيهِ طَ وَ مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا آنَزَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَسِقُونَ  
وَ آنَزَنَا إِلَيْكَ الْكِتَبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَبِ وَ مُهَيِّنًا  
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا آنَزَ اللَّهُ وَ لَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ طَ يُكْلِلُ جَعْلَنَا  
مِنْكُمْ شُرُعَةً وَ مِنْهَا جَاجًا طَ وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ كَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَ احِدَةً وَ لَكُنْ لَيَبْلُوْكُمْ فِي  
مَا أَتَكُمْ فَاسْتَقُوا الْخَيْرَاتِ طَ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ

تَخْتَلِفُونَ ﴿٢٨﴾ وَ أَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَ لَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَ احْذَرُهُمْ أَنْ  
يَقْتِنُوكُمْ عَنْ بَعْضٍ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ فَإِنْ تَوَلُّوْا فَاعْلَمُ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ  
بِبَعْضٍ ذُنُوبِهِمْ وَ إِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَسِقُونَ ﴿٢٩﴾ احْكُمْ الْجَاهِلِيَّةَ يَبْغُونَ طَوْبَانَ وَ مَنْ  
أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوْقِنُونَ ﴿٣٠﴾

QuranUrdu.com

رکوء ۷

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی، جو مسلم تھے، اُسی کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات <sup>72</sup> کا فیصلہ کرتے تھے، اور اسی طرح ربائی اور احبار بھی <sup>73</sup> اسی پر فیصلہ کا مدار رکھتے تھے کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس <sup>۷۴</sup> اے گروہ یہود! تم لوگوں سے نہ ڈر و بلکہ مجھ سے ڈر و اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بد لے جان، آنکھ کے بد لے آنکھ، ناک کے بد لے ناک، کان کے بد لے کان، دانت کے بد لے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ <sup>74</sup> پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے، <sup>75</sup> اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیؑ کو بھیجا۔ تورات میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اُس کی تصدیق کرنے والی تھی <sup>76</sup> اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔ <sup>77</sup>

پھر اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے

آگے موجود ہے اُس کی تصدیق کرنے والی <sup>78</sup> اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس سے مُنہہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ <sup>79</sup> ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بناسکتا تھا، لیکن اُس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اُس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے <sup>80</sup> ہو۔ <sup>81</sup> پس اے محمد! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار ہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اُس ہدایت سے ذرہ برابر منحر نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔ <sup>82</sup> اگر یہ خدا کے قانون سے مُنہہ موڑتے ہیں تو کیا پھر جالمیت <sup>83</sup> کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ <sup>84</sup>

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 72 ▲

یہاں ضمناً اس حقیقت پر بھی متنبہ کر دیا گیا کہ انبیاء سب کے سب "مسلم" تھے، بخلاف اس کے یہ یہودی "اسلام" سے ہٹ کر اور فرقہ بندی میں مبتلا ہو کر صرف "یہودی" بن کر رہ گئے تھے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 73 ▲

ربانی = علماء - احبار = فقهاء

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 74 ▲

تقابل کے لیے ملاحظہ ہو توراة کی کتاب خروج، باب ۲۱- آیت ۲۳- ۲۵۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 75 ▲

یعنی جو شخص صدقہ کی نیت سے قصاص معاف کر دے اس کے حق میں یہ نیکی اس کے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ اسی معنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ من جرح فی جسدہ جراحتہ فتصدق بها کفر عنہ ذنبہ بمثل ما تصدق به۔ یعنی جس کے جسم میں کوئی زخم لگایا گیا اور اس نے معاف کر دیا تو جس درجہ کی یہ معافی ہوگی اسی کے بقدر اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 76 ▲

یعنی مسیح علیہ السلام کوئی نیامد ہب لے کر نہیں آئے تھے بلکہ وہی ایک دین، جو تمام پچھلے انبیاء کا دین تھا، مسیح کا دین بھی تھا اور اسی کی طرف وہ دعوت دیتے تھے۔ توراة کی اصل تعلیمات میں سے جو کچھ ان کے زمانہ میں محفوظ تھا اس کو مسیح خود بھی مانتے تھے اور انجیل بھی اس کی تصدیق کرتی تھی (ملاحظہ ہو متی باب ۵ - آیت ۱۸- ۱۷)۔ قرآن اس حقیقت کا بار بار اعادہ کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے انبیاء دُنیا کی کسی گوشے میں آئے ہیں ان میں سے کوئی بھی پچھلے انبیاء کی تردید کے لیے اور ان کے کام کو مٹا کر اپنا نیامد ہب

چلانے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ ہر نبی اپنے پیشرو انبياء کی تصدیق کرتا تھا اور اسی کام کر فروغ دینے کے لیے آتا تھا جسے الگوں نے ایک پاک و رشد کی حیثیت سے چھوڑا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کوئی کتاب اپنی ہی پچھلی کتابوں کی تزدید کرنے کے لیے کبھی نہیں بھیجی بلکہ اس کی ہر کتاب پہلے آئی ہوئی کتابوں کی موسیدہ اور مصدق تھی۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 77 ▲

”یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کیے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرا یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اولاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اس کا یہ فعل عدل و انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا، اس لیے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرا یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی و اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکلا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر اور ظلم اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکم خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ جہاں وہ انحراف موجود ہو وہاں یہ تینوں چیزوں موجود نہ ہوں۔ البتہ جس طرح انحراف کے درجات و مراتب میں فرق ہے اسی طرح ان تینوں چیزوں کے مراتب میں بھی فرق ہے۔ جو شخص حکم الہی کے خلاف اس بناء پر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم

کو غلط اور اپنے یا کسی دوسرے انسان کے حکم کو صحیح سمجھتا ہے وہ مکمل کافر اور ظالم اور فاسق ہے۔ اور جو اعتقاداً حکم اللہ کو برحق سمجھتا ہے مگر عملاً اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ اگرچہ خارج از ملت تو نہیں ہے مگر اپنے ایمان کو کفر، ظلم اور فسق سے مخلوط کر رہا ہے۔ اسی طرح جس نے تمام معاملات میں حکم اللہ سے انحراف اختیار کر لیا ہے وہ تمام معاملات میں کافر، ظالم اور فاسق ہے۔ اور جو بعض معاملات میں مطیع اور بعض میں منحرف ہے اس کی زندگی میں ایمان و اسلام اور کفر و ظلم و فسق کی آمیزش ٹھیک ٹھیک اسی تناسب کے ساتھ ہے جس تناسب کے ساتھ اس نے اطاعت اور انحراف کو ملار کھا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے ان آیات کے اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلامِ اللہ کے الفاظ میں اس تاویل کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہؓ نے دیا ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو، ہی کافر، وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا نعم الاخرة لكم بنو اسرائیل ان کانت لہم کل مُرّۃ و لکم کل حلوة کلًا والله لتسدکن طریقہم قدر الشراک۔ ”کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لیے یہ بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب اُن کے لیے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لیے! ہرگز نہیں، خدا کی قسم تم انہی کے طریقہ پر قدم بقدم چلو گے۔

## ▲ سورہ المائدہ حاشیہ نمبر: 78

یہاں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا تھا کہ ”پچھلی کتابوں“ میں سے جو کچھ اپنی اصلی اور صحیح صورت پر باقی ہے، قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، لیکن

اللہ تعالیٰ نے ”پچھلی کتابوں“ کے بجائے ”الکتاب“ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ قرآن اور تمام وہ کتابیں جو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں، سب فی الاصل ایک ہی کتاب ہیں۔ ایک ہی ان کا مصنف ہے، ایک ہی ان کا مددعا اور مقصد ہے، ایک ہی ان کی تعلیم ہے، اور ایک ہی علم ہے جو ان کے ذریعہ سے نوع انسانی کو عطا کیا گیا۔ فرق اگر ہے تو عبارات کا ہے جو ایک ہی مقصد کے لیے مختلف مخاطبوں کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اختیار کی گئیں۔ پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں، موید ہیں، تردید کرنے والی نہیں، تصدیق کرنے والی ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی ”الکتاب“ کے مختلف ایڈیشن ہیں۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 79 ▲

اصل میں لفظ ”مُهَمِّمُونْ“ استعمال ہوا ہے۔ عربی میں یہ میں ہیمن ہیمنۃ کے معنی محافظت، گنگرانی، شہادت، امانت، تائید اور حمایت کے ہیں۔ ہیمن الرجل الشیع، یعنی آدمی نے فلاں چیز کی حفاظت و نگہبانی کی۔ ہیمن الطائر علی فراخہ، یعنی پرندے نے اپنے چُوزے کو اپنے پروں میں لے کر محفوظ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا انی داع فھیمنوا یعنی میں دعا کرتا ہوں تم تائید میں آمین کہو۔ اسی سے لفظ ہمیان ہے جسے اردو میں ہمیانی کہتے ہیں، یعنی وہ تھیلی جس میں آدمی اپنا مال رکھ کر محفوظ کرتا ہے۔ پس قرآن کو ”الکتاب“ پرمھیمن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان تمام برحق تعلیمات کو جو پچھلی کتب آسمانی میں دی گئی تھیں، اپنے اندر لے کر محفوظ کر لیا ہے۔ وہ ان پر نگہبان

ہے اس معنی میں کہ اب ان کی تعلیمات برحق کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا۔ وہ ان کا موید ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کا کلام جس حد تک موجود ہے قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہو گئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جاسکتا ہے، جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام ہے۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 80

یہ ایک جملہء مفترضہ ہے جس سے مقصود ایک سوال کی توضیح کرنا ہے جو اپر کے سلسلہء تقریر کو سُننے ہوئے مخاطب کے ذہن میں الجھن پیدا کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تمام انبیاء اور تمام کتابوں کا دین ایک ہے، اور یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے آئے ہیں تو شریعت کی تفصیلات میں ان کے درمیان فرق کیوں ہے؟ کیا بات ہے کہ عبادت کی صورتوں میں، حرام و حلال کی قیود میں اور قوانینِ تمدن و معاشرت کے فروع میں مختلف انبیاء اور کتبِ آسمانی کی شریعتوں کے درمیان تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے؟

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 81

یہ مذکورہ بالاسوال کا پُورا جواب ہے۔ اس جواب کی تفصیل یہ ہے:

(۱) محض اختلاف شرائع کو اس بات کی دلیل قرار دینا غلط ہے کہ یہ شریعتیں مختلف مآخذ سے ماخوذ اور مختلف سرچشمتوں سے نکلی ہوئی ہے۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے مختلف قوموں کے لیے مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں مختلف ضابطے مقرر فرمائے۔

(۲) بلاشبہ یہ ممکن تھا کہ شروع ہی سے تمام انسانوں کے لیے ایک ضابطہ مقرر کر کے سب کو ایک امت بنا دیا جاتا۔ لیکن وہ فرق جو اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کی شریعتوں کے درمیان رکھا اس کے اندر دوسرا بہت سی مصلحتوں کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اصل دین اور اس کی روح اور حقیقت کو سمجھتے ہیں، اور دین میں ان ضوابط کی حقیقی حیثیت کو جانتے ہیں، اور کسی تعصّب میں مبتلا نہیں ہیں وہ حق کو جس صورت میں بھی وہ آئے گا پہچان لیں گے اور قبول کر لیں گے۔ اُن کو اللہ کے بھیجے ہوئے سابق احکام کی جگہ بعد کے احکام تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہو گا۔ بخلاف اس کے جو لوگ روحِ دین سے بیگانہ ہیں اور ضوابط اور ان کی تفصیلات ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں، اور جنہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے حاشیے چڑھا کر ان پر جمود اور تعصّب اختیار کر لیا ہے وہ ہر اُس ہدایت کو رد کرتے چلے جائیں گے جو بعد میں خدا کی طرف سے آئے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو ممزکرنے کے لیے یہ آزمائش ضروری تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شرائع میں اختلاف رکھا۔

(۳) تمام شرائع سے اصل مقصد نیکیوں اور بھلائیوں کو پانا ہے اور وہ اسی طرح حاصل ہو سکتی ہیں کہ جس وقت جو حکم خدا ہو اُس کی پیروی کی جائے۔ لہذا جو لوگ اصل مقصد پر نگاہ رکھتے ہیں ان کے لیے شرائع کے اختلافات اور منابع کے فروق پر جھگڑا کرنے کے بجائے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ مقصد کی طرف اُس را سے پیش قدمی کریں جس کو اللہ تعالیٰ کی منظوری حاصل ہو۔

(۴) جو اختلافات انسانوں نے اپنے جمود، تعصّب، ہٹ دھرمی اور ذہن کی اُپج سے خود پیدا کر لیے ہیں اُن کا آخری فیصلہ نہ مجلس مناظرہ میں ہو سکتا ہے نہ میدانِ جنگ میں۔ آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جبکہ حقیقت بے نقاب کر دی جائے گی اور لوگوں پر منکشف ہو جائے گا کہ جن جھگڑوں میں وہ عمریں کھپا کر دنیا

سے آئے ہیں اُن کی تھے میں ”حق“ کا جو ہر کتنا تھا اور باطل کے حاشیے کس قدر۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 82 ▲

یہاں سے پھر وہی سلسلہء تقریر چل پڑتا ہے جو اپر سے چلا آ رہا تھا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 83 ▲

جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سر اسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے بر عکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسون اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہذا خدا کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظام زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنوں و اوہام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنالیے گئے ہیں وہ بھی اُسی طرح ”جاہلیت“ کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے ہیں۔

رکوٰہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَنَحِّدُوا إِلَيْهِوَدَةَ النَّصْرَى أَوْ لِيَأَاءَ بَعْضٍ بَعْضٌ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِيمِينَ ﴿٤٦﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَآءِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِي بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصِبِّحُوا عَلَى مَا آسَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ نَدِيمِينَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعْكُمْ حِبْطَثُ أَعْمَالُهُمْ فَاصْبَحُوا خَسِيرِينَ ﴿٤٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذْلَلُهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّهُ عَلَى الْكُفَّارِ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَا يَمِرُ ذلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٩﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقْيِمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوَةَ وَهُمْ رَكِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغُلَبُونَ ﴿٥١﴾

## رکو ۸

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے، یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں ڈوڑھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں ”ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں“۔<sup>84</sup> مگر بعد نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا<sup>85</sup> تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے۔ اور اُس وقت اہل ایمان کہیں گے ”کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟“۔۔۔ ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکامہ نامراہ ہو کر رہے۔<sup>86</sup>

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے ﴿تو پھر جائے﴾ اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے،<sup>87</sup> جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔<sup>88</sup> یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ و سبع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے

اُسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔ ۸۶

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 84 ▲

اُس وقت تک عرب میں کفر اور اسلام کی کشمکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اسلام اپنے پیروں کی سرفروشیوں کے سبب سے ایک طاقت بن چکا تھا لیکن مقابل کی طاقتیں بھی زبردست تھیں۔ اسلام کی فتح کا جیسا امکان تھا ویسا ہی کفر کی فتح کا بھی تھا۔ اس لیے مسلمانوں میں جو لوگ منافق تھے وہ اسلامی جماعت میں رہتے ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی ربط و ضبط رکھنا چاہتے تھے تاکہ یہ کشمکش اگر اسلام کی شکست پر ختم ہو تو ان کے لیے کوئی نہ کوئی جائے پناہ محفوظ رہے۔ علاوہ بریں اُس وقت عرب میں عیسائیوں اور یہودیوں کی معاشی قوت سب سے زیادہ تھی۔ سماں کا رہ بیشتر انہی کے ہاتھ میں تھا۔ عرب کے بہترین سرسبز و شاداب خطے ان کے قبضہ میں تھے۔ ان کی سودخواری کا جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ لہذا معاشی اسباب کی بنابری بھی یہ منافق لوگ ان کے ساتھ اپنے سابق تعلقات برقرار رکھنے کے خواہش مند تھے۔ ان کا گمان تھا کہ اگر اسلام و کفر کی اس کشمکش میں ہمہ تن منہمک ہو کر ہم نے ان سب قوموں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے جن کے ساتھ اسلام اس وقت بر سر پیکار ہے تو یہ فعل سیاسی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے ہمارے لیے خطرناک ہو گا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 85 ▲

یعنی فیصلہ کُن فتح سے کم تر درجہ کی کوئی ایسی چیز جس سے عموماً لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ ہارجیت کا آخری فیصلہ اسلام ہی کے حق میں ہو گا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 86 ▲

یعنی جو کچھ انہوں نے اسلام کی پیروی میں کیا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، زکوٰۃ دی، جہاد میں شریک ہوئے، قوانین اسلام کی اطاعت کی، یہ سب کچھ اس بنا پر ضائع ہو گیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کے لیے خلوص نہ تھا اور وہ سب سے کٹ کر صرف ایک خدا کے ہو کرنہ رہ گئے تھے بلکہ اپنی دُنیا کی خاطر انہوں نے اپنے آپ کو خدا اور اس کے باغیوں کے درمیان آدھا آدھا بانٹ رکھا تھا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 87 ▲

”مومنوں پر نرم“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہل ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے۔ اُس کی ذہانت، اُس کی ہوشیاری، اُس کی قابلیت، اُس کا رُسوخ واثر، اُس کا مال، اُس کا جسمانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور نقصان پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم خو، رحم دل، ہمدرد اور حلیم انسان ہی پائیں۔

”کفار پر سخت“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن آدمی اپنے ایمان کی چیختگی، دینداری کے خلوص، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے محلہ لفین اسلام کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کے مانند ہو کہ کسی طرح اپنے مقام سے ہٹایا نہ جاسکے۔ وہ اسے کبھی موم کی ناک اور نرم چارہ نہ بنائیں۔ انہیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے اُن پر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر بک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 88 ▲

یعنی اللہ کے دین کی پیروی کرنے میں، اُس کے احکام پر عملدرآمد کرنے میں، اور اس دین کی رُو سے جو کچھ حق ہے اُسے حق اور جو کچھ باطل ہے اُسے باطل کہنے میں انہیں کوئی باک نہ ہو گا۔ کسی کی مخالفت، کسی کی طعن و تشنیع، کسی کے اعتراض اور کسی کی پھبٹیوں اور آوازوں کی وہ پروانہ کریں گے۔ اگر رائے عام اسلام کی مخالف ہو اور اسلام کے طریقے پر چلنے کے معنی اپنے آپ کو دُنیا بھر میں نکو بنالینے کے ہوں تب بھی وہ اسی راہ پر چلیں گے جسے وہ پچھے دل سے حق جانتے ہیں۔

تَقْرِيرُ الْوَلَدَنَ

سُورَةُ الْمَّاْدَةِ

QuranUrdu.com

—  
١٥—

حصہ دوم

سید ابوالاعلم مودودی

## فہرست

3 .....	رکو ۹۶
10 .....	رکو ۱۰۶
23 .....	رکو ۱۱۶
26 .....	رکو ۱۲۶
35 .....	رکو ۱۳۶
40 .....	رکو ۱۴۶
47 .....	رکو ۱۵۶
52 .....	رکو ۱۶۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُرُوا وَ لَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
 الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارُ أُولَئِكَأَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَإِذَا  
 نَادَيْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُرُوا وَ لَعِبًا طَذِيلَكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ يَا أَهْلَ  
 الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمْنَا بِاللَّهِ وَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَ مَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِنَا وَ  
 أَنَّ أَكْثَرَكُمْ فِي سُقُونَ ﴿٦٠﴾ قُلْ هَلْ أَنِّيْعُكُمْ بِشَرِّ مِنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ  
 اللَّهُ وَ غَضِيبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقَرَدةَ وَ الْخَنَازِيرَ وَ عَبْدَ الطَّاغُوتَ طَوْلَكَ شَرِّ  
 مَكَانًا وَ أَضَلَّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦١﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا أَمْنَا وَ قَدْ دَخَلُوا بِأَكْفَرِهِ  
 هُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ طَوْلَكَ وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦٢﴾ وَ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي  
 الْإِثْمِ وَ الْعُدُوانِ وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتَ طَوْلَكَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٣﴾ لَوْلَا يَنْهَا هُمُ الرَّبِّنِيُّونَ  
 وَ الْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتَ طَوْلَكَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٤﴾ وَ قَالَتِ  
 الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ طَوْلَكَ غَلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَ لُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوطَتِنِ يُنْفِقُ  
 كَيْفَ يَشَاءُ طَوْلَكَ وَ لَيَزِيدَنَ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَ كُفْرًا طَوْلَكَ وَ الْقَيْنَا  
 بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ طَوْلَكَ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرَبِ أَطْفَاهَا اللَّهُ طَوْلَكَ وَ

يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًاٌ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٢٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ أَمْنُوا وَ  
اتَّقُوا كَفَرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخْلُنُهُمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿٢٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرِيدَ  
وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَا كَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ  
مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٢٦﴾

QuranUrdu.com

## رکو ۶

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے پیش رواہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنالیا ہے، انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیلتے ہیں۔<sup>89</sup> اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔<sup>90</sup> ان سے کہو، ”اے اہل کتاب! تم جس بات پر ہم سے بگڑے ہو وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم اللہ پر اور دین کی اُس تعلیم پر ایمان لے آئے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور ہم سے پہلے بھی نازل ہوئی تھی، اور تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں؟“ پھر کہو ”کیا میں اُن لوگوں کی نشاندہی کروں جن کا انجام خدا کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے؟ وہ جن پر خدا نے لعنت کی، جن پر اُس کا غصب ٹوٹا، جن میں سے بندرا اور سور بنائے گئے، جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی۔ ان کا درجہ اور بھی زیادہ بُرا ہے اور وہ سواء اس سبیل سے بہت زیادہ بھکٹے ہوئے ہیں۔“<sup>91</sup>

جب یہ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ کفر لیے ہوئے آئے تختے اور کفر ہی لیے ہوئے واپس گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں۔ بہت بُری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے؟ یقیناً بہت ہی بُرا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کر رہے ہیں۔

یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔<sup>92</sup> باندھے گئے ان کے ہاتھ، اور لعنت پڑی ان

پر اُس بکواس کی بدولت جو یہ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ 94 اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کلام تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی و باطل پرستی میں اٹلے اضافہ کا موجب بن گیا ہے، 95 اس کی پاداش میں ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور ذمہ دال دی ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کر رہے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اگر 96 اس سرکشی کے بجائے یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور خدا ترسی کی روشن اختیار کرتے تو ہم ان کی برا بیان ان سے ڈور کر دیتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچاتے۔ کاش انہوں نے توراة اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور بیچے سے اُبلتا۔ 96 اگرچہ ان میں کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بد عمل ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 89

یعنی اذان کی آواز سن کر اُس کی نقلیں اتارتے ہیں، تم سخر کے لیے اس کے الفاظ بدلتے اور مسخ کرتے ہیں اور اس پر آوازے کستے ہیں۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 90 ▲

یعنی ان کی یہ حرکتیں محض بے عقلی کا نتیجہ ہیں۔ اگر وہ جہالت اور نادانی میں مبتلا نہ ہوتے تو مسلمانوں سے مذہبی اختلاف رکھنے کے باوجود ایسی خفیف حرکات ان سے سرزد نہ ہوتیں۔ آخر کون معقول آدمی یہ پسند کر سکتا ہے کہ جب کوئی گروہ خدا کی عبادت کے لیے منادی کرے تو اس کا مذاق اڑایا جائے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 91 ▲

لطیف اشارہ ہے خود یہودیوں کی طرف، جن کی اپنی تاریخ یہ کہہ رہی ہے کہ بارہا وہ خدا کے غضب اور اس کی لعنت میں مبتلا ہوئے، سبُت کا قانون توڑنے پر ان کی قوم کے بہت سے لوگوں کی صورتیں مسخ ہوئیں، حتیٰ کہ وہ تنزیل کی اس انتہا کو پہنچے کہ طاغوت کی بندگی تک انہیں تنصیب ہوئی۔ پس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آخر تمہاری بے حیائی اور مجرمانہ بے باکی کی کوئی حد بھی ہے کہ خود فسق و فجور اور انتہائی اخلاقی تنزل میں مبتلا ہو اور اگر کوئی دوسرا گروہ خدا پر ایمان لا کر سچی دینداری کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہو۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 92 ▲

عربی محاورے کے مطابق کسی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بخیل ہے، عطا اور بخشش سے اُس کا ہاتھ رُکا ہوا ہے۔ پس یہودیوں کے اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ بخیل ہے۔ چونکہ صدیوں سے یہودی قوم ذلت و نکبت کی حالت میں بُتلا تھی اور اس کی گز شستہ عظمت محض ایک افسانہ پاریہ نہ بن کر رہ گئی تھی جس کے پھر واپس آنے کا کوئی

امکان انہیں نظر نہ آتا تھا، اس لیے بالعموم اپنے قومی مصالب پر ماتم کرتے ہوئے اُس قوم کے نادان لوگ یہ بیہودہ فقرہ کہا کرتے تھے کہ معاذ اللہ! خدا تو بخل ہو گیا ہے، اس کے خزانے کا منہ بند ہے، ہمیں دینے کے لیے اب اس کے پاس آفات اور مصالب کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ یہ بات کچھ بیہودیوں تک ہی محدود نہیں، دوسری قوموں کے جہلاء کا بھی یہی حال ہے کہ جب ان پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو خدا کی طرف رجوع کرنے کے بجائے وہ جل کر اس قسم کی گستاخانہ باتیں کیا کرتے ہیں۔

### **سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 93 ▲**

یعنی بخل میں یہ خود بُتلا ہیں۔ دُنیا میں اپنے بُخل اور اپنی تنگ دلی کے لیے ضرب المثل بن چکے ہیں۔

### **سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 94 ▲**

یعنی اس قسم کی گستاخیاں اور طعن آمیز باتیں کر کے یہ چاہیں کہ خدا ان پر مہربان ہو جائے اور عنایات کی بارش کرنے لگے تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ بلکہ ان باتوں کا الٹا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کی نظر عنایت سے اور زیادہ محروم اور اس کی رحمت سے اور زیادہ ذور ہوتے جاتے ہیں۔

### **سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 95 ▲**

یعنی بجائے اس کے کہ اس کلام کو سُن کر وہ کوئی مفید سبق لیتے، اپنی غلطیوں اور غلط کاریوں پر متنبہ ہو کر ان کی تلافی کرتے، اور اپنی گری ہوئی حالت کے اسباب معلوم کر کے اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے، اُن پر اس کا الٹا اثر یہ ہوا ہے کہ ضد میں آ کر انہوں نے حق و صداقت کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ خیر و صلاح کے بھولے ہوئے سبق کو سُن کر خود را درکنار، اُن کی الٹی کوشش یہ ہے کہ جو آواز اس

سبق کو یاد دلار ہی ہے اسے دبادیں تاکہ کوئی دوسرا بھی اسے نہ سُننے پائے۔

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 96

بائبل کی کتاب احبار (باب ۲۶) اور استثناء (باب ۲۸) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک تقریر نقل کی گئی ہے جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر تم احکامِ الٰہی کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرو گے تو کس کس طرح اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے جاؤ گے، اور اگر کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر نافرمانیاں کرو گے تو کس طرح بلائیں اور مصیبتیں اور تباہیاں ہر طرف سے تم پر ہجوم کریں گی۔ حضرت موسیٰ کی وہ تقریر قرآن کے اس مختصر فقرے کی بہترین تفسیر ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغَتِ رسالَتَهُ ۖ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكُفَّارِينَ ﴿٢٤﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقْيِمُوا التَّوْرِيدَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَلَيَزِيدُنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكُفَّارِينَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصُّابِرُونَ وَالنَّصْرَى مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمَ الْآخِرَةَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْرَنُونَ ﴿٢٦﴾ لَقَدْ أَخْذَنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٢٧﴾ وَحَسِبُوا أَلَا تَكُونُ فِتْنَةٌ فَعْمُوا وَصَمُوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا كَثِيرًا مِنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَائِيلَ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٩﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۖ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ ۖ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمْسَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٠﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَ

يَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٣﴾ مَا الْمُسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَّتْ مِنْ  
 قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلُنَا الطَّعَامَ أُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظُرْ  
 آنِي يُؤْفَكُوْنَ ﴿٤٤﴾ قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ تَكُُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ  
 السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٤٥﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَشْبِعُوا  
 أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلَّوْا مِنْ قَبْلٍ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٤٦﴾

## دکو٤

اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو تمہارے مقابلہ میں کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔ صاف کہہ دو کہ ”اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔“ <sup>97</sup> ضرور ہے کہ یہ فرمان جو تم پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کسی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ بڑھادے گا۔ <sup>98</sup> مگر انکار کرنے والوں کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو۔ یقین جانو کہ یہاں اجارہ کسی کا بھی نہیں ہے۔ مسلمان ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا عیسائی، جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا بے شک اس کے لیے نہ کسی خوف کا مقام ہے نہ رنج کا۔ <sup>99</sup>

ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے، مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انہوں نے جھٹلا�ا اور کسی کو قتل کر دیا، اور اپنے نزدیک یہ سمجھے کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہو گا، اس لیے اندھے اور بھرے بن گئے۔ پھر اللہ نے انہیں معاف کیا تو ان میں سے اکثر لوگ اور زیادہ اندھے اور بھرے بنتے چلے گئے۔ اللہ ان کی یہ سب حرکات دیکھتا رہا ہے۔

یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابنِ مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ ”اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی“۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک

ٹھیک ایسا اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے طالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اُس کو دردناک سزا دی جائے گی۔ پھر کیا یہ اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اس سے معافی نہ مانگیں گے؟ اللہ بہت درگزر فرمانے والا اور حکم کرنے والا ہے۔

مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا، اُس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے، اس کی ماں ایک راستباز عورت تھی، اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں، پھر دیکھو یہ کہ ہر اُن لئے پھرے جاتے ہیں۔ **100**

إن سے کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُس کی پرستش کرتے ہو جونہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ لفغ کا؟ حالانکہ سب کی سُنْنَة والا اور سب کچھ جانے والا تو اللہ ہی ہے۔ کہو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلوٰنہ کرو اور اُن لوگوں کے تختیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور ”سواءً لِسَبِيل“ سے بھٹک گئے۔ **101**

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 97

توراۃ اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کرنا اور انہیں اپنا دستور زندگی بنانا ہے۔ اس موقع پر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بائیبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں ایک قسم کی عبارات تو وہ ہیں جو یہودی اور عیسائی مصنفوں نے بطورِ خود لکھی ہیں۔ اور دوسری قسم کی

عبارات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشادات یا حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور دُوسرے پیغمبروں کے اقوال ہونے کی حیثیت سے منقول ہیں اور جن میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے ایسا فرمایا فلاں نبی نے ایسا کہا۔ ان میں سے پہلی قسم کی عبارات کو الگ کر کے اگر کوئی شخص صرف دُوسری قسم کی عبارات کا تتبع کرے تو آسانی یہ دیکھ سکتا ہے کہ ان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ اگرچہ مترجموں اور ناسخوں اور شارحوں کی دراندازی سے، اور بعض جگہ زبانی راویوں کی غلطی سے، یہ دُوسری قسم کی عبارات بھی پوری طرح محفوظ نہیں رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان میں بعینہ اسی خالص توحید کی دعوت دی گئی ہے جس کی طرف قرآن بلارہا ہے، وہی عقائد پیش کیے گئے ہیں جو قرآن پیش کرتا ہے اور اسی طریقے زندگی کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جس کی ہدایت قرآن دیتا ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اگر یہودی اور عیسائی اُسی تعلیم پر قائم رہتے جو ان کتابوں میں خدا اور پیغمبروں کی طرف سے منقول ہے تو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہ ایک حق پرست اور راست روا گروہ پائے جاتے اور انہیں قرآن کے اندر وہی روشنی نظر آتی جو پچھلی کتابوں میں پائی جاتی تھی۔ اس صورت میں ان کے لیے نبی صلی علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے میں تبدیل مذہب کا سرے سے کوئی سوال پیدا نہ ہوتا بلکہ وہ اُسی راستے کے تسلسل میں، جس پر وہ پہلے سے چلے آرہے تھے، آپ کے قبیل بن کر آگے چل سکتے تھے۔

## ▲ سورہ المائدہ حاشیہ نمبر: 98

یعنی یہ بات سن کر ٹھنڈے دل سے غور کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کے بجائے وہ ضد میں آکر اور زیادہ شدید مخالفت شروع کر دیں گے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 99 ▲

دیکھو سورہ بقرہ، آیت ۶۲ - و حاشیہ نمبر ۸۰۔ آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

### سورة البقرہ حاشیہ نمبر 80:

سلسلہ عبارت کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کن کن باتوں کو آدمی مانے اور کیا کیا اعمال کرے تو خدا کے ہاں اجر کا مستحق ہو۔ یہ چیزیں اپنے اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ آئیں گی۔ یہاں تو یہودیوں کے اس زعمِ باطل کی تردید مقصود ہے کہ وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروہ سے اللہ کا کوئی خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، لہذا جوان کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمال اور عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی ہو، بہر حال نجات اس کے لیے مقدر ہے، اور باقی تمام انسان جوان کے گروہ سے باہر ہیں وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہاں اصل چیز تمہاری یہ گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ جو انسان بھی یہ چیز لے کر حاضر ہو گا وہ اپنے رب سے اپنا اجر پائے گا۔ خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہو گا نہ کہ تمہاری مردم شماری کے رجسٹروں پر۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 100 ▲

إنْ چند لفظوں میں عیسائیوں کے عقیدہ الٰہیت مسیح کی ایسی صاف تردید کی گئی ہے جو اس سے زیادہ صفائی ممکن نہیں ہے۔ مسیح کے بارے میں اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ فی الحقيقة وہ کیا تھا تو ان علامات سے بالکل غیر مشتبہ طور پر معلوم کر سکتا ہے کہ وہ محض ایک انسان تھا۔ ظاہر ہے کہ جو ایک عورت کے پیٹ

سے پیدا ہوا، جس کا شجرہ نسب تک موجود ہے، جو انسانی جسم رکھتا تھا، جو ان تمام حدود سے محدود اور ان تمام قبود سے مقید اور ان تمام صفات سے متصف تھا جو انسان کے لیے مخصوص ہیں، جو سوتا تھا، کھاتا تھا، گرمی اور سردی محسوس کرتا تھا، حتیٰ کہ جسے شیطان کے ذریعہ سے آزمائش میں بھی ڈالا گیا، اس کے متعلق کون معقول انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود خدا ہے یا خدائی میں خدا کا شریک و سمیم ہے۔ لیکن یہ انسانی ذہن کی ضلالت پذیری کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ عیسائی خود اپنی مذہبی کتابوں میں مسیح کی زندگی کو صریحاً ایک انسانی زندگی پاتے ہیں اور پھر بھی اسے خدائی سے متصف قرار دینے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالم واقعہ میں ظاہر ہوا تھا، بلکہ انہوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اُسے خدا بنالیا ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 101 ▲

اشارہ ہے اُن گمراہ قوموں کی طرف جن سے عیسائیوں نے غلط عقیدہ اور باطل طریقے اخذ کیے۔ خصوصاً فلاسفہ یونان کی طرف، جن کے تخیلات سے متاثر ہو کر عیسائی اُس صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے جس کی طرف ابتداءً ان کی رہنمائی کی گئی تھی۔ مسیح کے ابتدائی پیر و جو عقائد رکھتے تھے وہ بڑی حد تک اُس حقیقت کے مطابق تھے جس کا مشاہدہ انہوں نے خود کیا تھا اور جس کی تعلیم ان کے ہادی و رہنماء نے ان کو دی تھی۔ مگر بعد کے عیسائیوں نے ایک طرف مسیحی عقیدت اور تعظیم میں غلوکر کے، اور دوسری طرف ہمسایہ قوموں کے اوہاں اور فلسفوں سے متاثر ہو کر، اپنے عقائد کی مبالغہ آمیز فلسفیانہ تعبیریں شروع کر دیں اور ایک بالکل ہی نیامدہ ب تیار کر لیا جس کو مسیح کی اصل تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہ رہا۔ اس باب میں خود ایک مسیحی عالم دینیات (ریورننڈ چارلس اینڈ رسن اسکاٹ) کا بیان قبل ملاحظہ ہے۔ انسائیکلو پیڈ یا برٹانیکا

کے چودھویں ایڈیشن میں ”یسوع مسح“ (Jesus Christ) کے عنوان پر اس نے جو طویل مضمون لکھا ہے اس میں وہ کہتا ہے:

”پہلی تین انجلیوں (متی، مرقس، لوقا) میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ ان انجلیوں کے لکھنے والے یسوع کو انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں وہ ایک انسان تھا، ایسا انسان جو خاص طور پر خدا کی روح سے فیض یاب ہوا تھا اور خدا کے ساتھ ایک ایسا غیر منقطع تعلق رکھتا تھا جس کی وجہ سے اگر اس کو خدا بیٹھا کہا جائے تو حق بجانب ہے۔ خود متی اس کا ذکر بڑھنے کے بیٹھ کی حیثیت سے کرتا ہے اور ایک جگہ بیان کرتا ہے کہ پطرس نے اس کو ”مسح“ تسلیم کرنے کے بعد ”الگ ایک طرف لے جا کر اُسے ملامت کی“ (متی ۲۲، ۲۶)۔ لوقا میں ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ صلیب کے بعد یسوع کے دو شاگرد اماوس کی طرف جاتے ہوئے اس کا ذکر اس حیثیت میں کرتے ہیں کہ ”وہ خدا اور ساری اُمت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا“ (لوقا ۱۹، ۲۳)۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگرچہ ”مرقس“ کی تصنیف سے پہلے مسیحیوں میں یسوع کے لیے لفظ ”خداوند“ کا استعمال عام طور پر چل پڑا تھا، لیکن نہ مرقس کی انجلی میں یسوع کو کہیں اس لفظ سے یاد کیا گیا ہے اور نہ متی کی انجلی میں۔ بخلاف اس کے دونوں کتابوں میں یہ لفظ اللہ کے لیے بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ یسوع کے ابتلاء کا ذکر تینیوں انجلیزیں پورے زور کے ساتھ کرتی ہیں جیسا کہ اس واقعہ کے شایانِ شان ہے، مگر مرقس کی ”فديه“ والی عبارت (مرقس ۳۵، ۱۰) اور آخری فتح کے موقع پر چند الفاظ کو مستثنی کر کے ان کتابوں میں کہیں اس واقعہ کو وہ معنی نہیں پہنانے گئے ہیں جو بعد میں پہنانے گئے۔ حتیٰ کہ اس بات کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں کیا کہ یسوع کی موت کا انسان کے گناہ اور اس کے کفارہ سے کوئی تعلق تھا۔“

آگے چل کروہ پھر لکھتا ہے:

”یہ بات کہ یسوع خود اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا انہیں کی متعدد عبارتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ”مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو“ (لو قا ۱۳، ۲۳)۔ وہ اکثر اپنا ذکر ”ابنِ آدم“ کے نام سے کرتا ہے۔ یہ یسوع کہیں اپنے آپ کو ”ابنِ اللہ“ نہیں کہتا۔ اس کے دوسرے ہم عصر جب اس کے متعلق یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو غالباً ان کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو خدا کا ممسوع سمجھتے ہیں۔ البتہ وہ اپنے آپ کو مطلقاً ”بیٹے“ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ مزید برآں وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کے بیان کرنے کے لیے بھی ”بادپ“ کا لفظ اسی اطلاقی شان میں استعمال کرتا ہے۔ اس تعلق کے بارے میں وہ اپنے آپ کو منفرد نہیں سمجھتا تھا، بلکہ ابتدائی دور میں دوسرے انسانوں کو بھی خدا کے ساتھ اس خاص گھرے تعلق میں اپنا ساتھی سمجھتا تھا۔ البتہ بعد کے تجربے اور انسانی طبائع کے عمیق مطالعہ نے اسے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ اس معاملہ میں وہ اکیلا ہے۔“ پھر یہی مصنف لکھتا ہے:

”عید پنٹنگٹسٹ کے موقع پر پترس کے یہ الفاظ کہ ”ایک انسان جو خدا کی طرف سے تھا“ یسوع کو اُس حیثیت میں پیش کرتے ہیں جس میں اس کے ہم عصر اس کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ انجلیوں سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع بچپن سے جوانی تک بالکل فطری طور پر جسمانی و ذہنی نشوونما کے مدارج سے گزر۔ اُس کو بھوک پیاس لگتی تھی، وہ تھکتا اور سوتا تھا، وہ حیرت میں بُنتا ہو سکتا تھا اور دریافتِ احوال کا محتاج تھا، اس نے دُکھ اٹھایا اور مرا۔ اُس نے صرف یہی نہیں کہ سمیع و بصیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صریحاً اس سے انکار کیا ہے۔ درحقیقت اس کے حاضرون ناظر ہونے کا اگر دعویٰ کیا جائے تو یہ اُس پورے تصور کے بالکل خلاف ہو گا جو ہمیں انجلیوں سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ اس دعوے کے ساتھ

آزمائش کے واقعہ کو اور گتھمنی اور کھوپڑی کے مقام پر جو واردات گزریں ان میں سے کسی کو بھی مطابقت نہیں دی جاسکتی۔ تا و قتیلہ ان واقعات کو بالکل غیر حقیقی قرار نہ دے دیا جائے، یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح جب ان سارے حالات سے گزر اتو وہ انسانی علم کی عام محدودیت اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا اور اس محدودیت میں اگر کوئی استثناء تھا تو وہ صرف اُسی حد تک جس حد تک پیغمبرانہ بصیرت اور خدا کے یقینی شہود کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ پھر مسیح کو قادر مطلق سمجھنے کی گنجائش تو انجلیوں میں اور بھی کم ہے۔ کہیں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ وہ خدا سے بے نیاز ہو کر خود مختارانہ کام کرتا تھا۔ اس کے برعکس وہ بار بار دعا مانگنے کی عادت سے اور اس قسم کے الفاظ سے کہ ”یہ چیز دعا کے سوا کسی اور ذریعہ سے نہیں ٹھیک سکتی“، اس بات کا صاف اقرار کرتا ہے کہ اس کی ذات بالکل خدا پر منحصر ہے۔ فی الواقع یہ بات ان انجلیوں کے تاریخی حیثیت سے معتبر ہونے کی ایک اہم شہادت ہے کہ اگرچہ ان کی تصنیف و ترتیب اُس زمانہ سے پہلے مکمل نہ ہوئی تھی جب کہ مسیحی کلیسا نے مسیح کو والہ سمجھنا شروع کر دیا تھا، پھر بھی ان دستاویزوں میں ایک طرف مسیح کے فی الحقیقت انسان ہونے کی شہادت محفوظ ہے اور دوسری طرف ان کے اندر کوئی شہادت اس امر کی موجود نہیں ہے کہ مسیح اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔

اس کے بعد یہ مصنف پھر لکھتا ہے:

”وہ سینٹ پال تھا جس نے اعلان کیا کہ واقعہ رفع کے وقت اسی فعل رفع کے ذریعہ سے یسوع پورے اختیارات کے ساتھ ”ابن اللہ“ کے مرتبہ پر علانیہ فائز کیا گیا ۔۔۔۔۔ یہ ”ابن اللہ“ کا لفظ یقینی طور پر ذاتی ابنیت کی طرف ایک اشارہ اپنے اندر رکھتا ہے جسے پال نے دوسری جگہ یسوع کو ”خدا کا اپنا بیٹا“ کہہ کر صاف کر دیا ہے۔ اس امر کا فیصلہ اب نہیں کیا جا سکتا کہ آیا وہ ابتدائی عیسائیوں کا گروہ تھا یا پال جس نے مسیح کے لیے ”خداوند“ کا خطاب اصل مذہبی معنی میں استعمال کیا۔ شاید یہ فعل مقدم الذکر گروہ ہی

کا ہو۔ لیکن بلاشبہ وہ پال تھا جس نے اس خطاب کو پورے معنی میں بولنا شروع کیا، پھر اپنے مُدّعا کو اس طرح اور بھی زیادہ واضح کر دیا کہ ”خداوند یسوع مسیح“ کی طرف بہت سے وہ تصوّرات اور اصطلاحی الفاظ منتقل کر دیے جو قدیم کتب مقدسے میں خداوند یہوہ (اللہ تعالیٰ) کے لیے مخصوص تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مسیح کو خدا کی دانش اور خدا کی عظمت کے مساوی قرار دیا اور اُسے مطلق معنی میں خدا کا بیٹا ٹھیرا یا۔ تاہم متعدد حیثیات اور پہلووں سے مسیح کو خدا کے برابر کر دینے کے باوجود پال اُس کو قطعی طور پر اللہ کہنے سے باز رہا۔“

انسانیکلوبیڈیا برٹائزکا کے اید دوسرے مضمون ”میسیحیت“ (Christianity) میں رورنڈ جارج ولیم ناس مسیحی کلیسا کے بنیادی عقیدے پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”عقیدہ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ہمارے لیے ایک عجیب قسم کا مرکب ہے، مذہبی خیالات بالیبل کے اور ڈھلنے ہوئے ایک اجنہی فلسفے کی صورتوں میں۔“

باب، بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحیں یہودی ذرائع کی بھم پہنچائی ہوئی ہیں۔ آخری اصطلاح اگرچہ خود یسوع نے شاذ و نادر ہی کبھی استعمال کی تھی، اور پال نے بھی جو اس کو استعمال کیا اس کا مفہوم بالکل غیر واضح تھا، تاہم یہودی لٹریچر میں یہ لفظ شخصیت اختیار کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پس اس عقیدہ کا مواد یہودی ہے (اگرچہ اس مرکب میں شامل ہونے سے پہلے وہ بھی یونانی اثرات سے مغلوب ہو چکا تھا) اور مسئلہ خالص یونانی۔ اصل سوال جس پر یہ عقیدہ بنا، وہ نہ کوئی اخلاقی سوال تھا نہ مذہبی، بلکہ وہ سراسرا ایک فلسفیانہ سوال تھا، یعنی یہ کہ ان تینوں اقانیم (باب، بیٹا اور روح) کے درمیان تعلق کی حقیقت کیا ہے؟ کلیسا نے اس کا جواب دیا وہ اُس عقیدے میں درج ہے جو نیقیا کی کو نسل میں مقرر کیا گیا تھا، اور اسے دیکھنے سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام خصوصیات میں بالکل یونانی فلکر کا نمونہ ہے۔

اسی سلسلہ میں انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے ایک اور مضمون ”تاریخ کلیسا“ (Church History) کی یہ عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے:

”تیسرا صدی عیسیٰ کے خاتمہ سے پہلے مسیح کو عام طور پر ”کلام“ کا جسدی ظہور تو مان لیا گیا تھا تاہم بکثرت عیسائی ایسے تھے جو مسیح کی الٰہیت کے قائل نہ تھے۔ چوتھی صدی میں اس مسئلہ پر سخت بحثیں چھڑی ہوئی تھیں جن سے کلیسا کی بنیاد دیں ہل گئی تھیں۔ آخر کار سن ۳۲۵ء میں نیقیا کی کو نسل نے الٰہیت مسیح کو باضابطہ سرکاری طور پر اصل مسیحی عقیدہ قرار دیا اور مخصوص الفاظ میں اسے مرتب کر دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ مدت تک جھگڑا اچلتارہا لیکن آخری فتح نیقیا ہی کے فیصلے کی ہوئی جسے مشرق اور مغرب میں اس حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا کہ صحیح العقیدہ عیسائیوں کا ایمان اسی پر ہونا چاہیے۔ بیٹے کی الٰہیت کے ساتھ روح کی الٰہیت بھی تسلیم کی گئی اور اسے اصطلاح کے کلمہ اور راجح الوقت شعائر میں باپ اور بیٹے کے ساتھ جگہ دی گئی۔ اس طرح نیقیا میں مسیح کا جو تصور قائم کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدہ تثنیث اصل مسیحی مذہب کا ایک جزء لا ینفك قرار پا گیا۔

پھر اس دعوے پر کہ ”بیٹے کی الٰہیت مسیح کی ذات میں مجسم ہوئی تھی“ ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوا جس پر چوتھی صدی میں اور اس کے بعد بھی متاؤں تک بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ یہ تھا کہ مسیح کی شخصیت میں الٰہیت اور انسانیت کے درمیان کیا تعلق ہے؟ سن 451ء میں کالسیڈن کی کو نسل نے اس کا یہ تصفیہ کیا کہ مسیح کی ذات میں دو مکمل طبیعتیں مجمع ہیں، ایک الٰہی طبیعت، دوسرا انسانی طبیعت، اور دونوں متحد ہو جانے کے بعد بھی اپنی جدا گانہ خصوصیات بلا کسی تغیر و تبدل کے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ تیسرا کو نسل میں جو سن ۶۸۰ء میں بمقام قسطنطینیہ منعقد ہوئی، اس پر اتنا اضافہ اور کیا گیا کہ یہ دونوں طبیعتیں اپنی

الگ الگ مشیتیں بھی رکھتی ہیں، یعنی مسیح بیک وقت دو مختلف مشیتیوں کا حامل ہے۔۔۔۔۔ اسی دوران میں مغربی کلیسا نے گناہ اور فضل کے مسئلہ پر بھی خاص توجہ کی اور یہ سوال مذکون زیر بحث رہا کہ نجات کے معاملہ میں خدا کا کام کیا ہے اور بندے کا کام کیا۔ آخر کار سن ۵۲۹ء میں اور تینج کی دوسری کو نسل میں ۔۔۔۔۔ یہ نظریہ اختیار کیا گیا کہ ہبھوت آدم کی وجہ سے ہر انسان اس حالت میں بتلا ہے کہ وہ نجات کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھا سکتا جب تک وہ اُس فضل خداوندی سے، جو اصطباغ میں عطا کیا جاتا ہے، نئی زندگی نہ حاصل کر لے۔ اور یہ نئی زندگی شروع کرنے کے بعد بھی اسے حالتِ خیر میں استمرار نصیب نہیں ہو سکتا جب تک وہ فضل خداوندی دائماً اس کا مددگار نہ رہے۔ اور فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت اسے صرف کیتوں لوک کلیسا ہی کے توسط سے حاصل رہ سکتی ہے۔

مسيحي علماء کے ان بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداءً جس چیز نے مسیحیوں کو گمراہ کیا وہ عقیدت اور محبت کا غلو تھا۔ اسی غلو کی بنا پر مسیح علیہ السلام کے لیے خداوند اور ابن اللہ کے الفاظ استعمال کیے گئے، خدائی صفات ان کی طرف منسوب کی گئیں، اور کفارہ کا عقیدہ ایجاد کیا گیا، حالانکہ حضرت مسیح کی تعلیمات میں ان باتوں کے لیے قطعاً کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ پھر جب فلسفہ کی ہوا مسیحیوں کو لوگی توجیہ کیے اس کے کہ یہ لوگ اس ابتدائی گمراہی کو سمجھ کر اس سے بچنے کی سعی کرتے، انہوں نے اپنے گزشتہ پیشواؤں کی غلطیوں کو نباہنے کے لیے ان کی توجیہات شروع کر دیں اور مسیح کی اصل تعلیمات کی طرف رجوع کیے بغیر محض منطق اور فلسفہ کی مدد سے عقیدے پر عقیدہ ایجاد کرتے چلے گئے۔ یہی وہ ضلالت ہے جس پر قرآن نے ان آیات میں مسیحیوں کو متنبہ فرمایا ہے۔

رَكْو٦

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوَدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ طَذِلَكَ بِمَا عَصَوْا وَ  
كَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٢٩﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهُونَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ طَلِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ  
تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّونَ الَّذِينَ كَفَرُوا طَلِئْسَ مَا قَدَّمْتُ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنْ سَخَطَ اللَّهُ  
عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَلِدُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا  
أَنْخَذُو هُمْ أُولَيَاءُ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٣١﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ  
أَمْنُوا إِلَيْهُو وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ أَمْنُوا الَّذِينَ قَاتَلُوا إِنَّا  
نَصَرْنَا طَذِلَكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكِبِرُونَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا سَمِعُوا مَا  
أُنْزِلَ إِلَيَ الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ هِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا  
أَمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشُّهَدَى مِنَ الَّذِينَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ  
نَطَعَ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَاتَلُوا جَنَّتِ تَجْرِي  
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ لِلَّذِينَ فِيهَا طَذِلَكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا  
بِأَيْتَنَا أَوْلَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ﴿٣٦﴾

## دکو٦ ॥

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابنِ مریمؐ کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو بڑے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، **۱۰۲** بُرا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔ آج تم اُن میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو ﴿اہل ایمان کے مقابلہ میں﴾ کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں۔ یقیناً بہت بُرا نجام ہے جس کی تیاری اُن کے نفسوں نے اُن کے لیے کی ہے، اللہ اُن پر غضب ناک ہو گیا ہے اور وہ داگی عذاب میں بُتلہ ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور پیغمبرؐ اور اُس چیز کے ماننے والے ہوتے جو پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تھی تو کبھی ﴿اہل ایمان کے مقابلہ میں﴾ کافروں کو اپنارفق نہ بناتے۔ **۱۰۳** مگر ان میں سے تو بیشتر لوگ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔

تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدُّنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اُن میں غرورِ نفس نہیں ہے۔ جب وہ اس کلام کو سُننے ہیں جو رسول پر اُترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ ”پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے“۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ”آخر کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لا سکیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اُسے کیوں نہ مان لیں جبکہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کرے گا؟“ اُن کے اس قول کی وجہ سے اللہ نے اُن کو ایسی جنتیں عطا کیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے

نیک رویہ اختیار کرنے والوں کے لیے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا اور انہیں جھپٹلایا، تو وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ ۶۱

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 102 ▲

ہر قوم کا بگاڑا بتداءً چند افراد سے شروع ہوتا ہے۔ اگر قوم کا اجتماعی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو رائے عام ان بگڑے ہوئے افراد کو دبائے رکھتی ہے اور قوم بحیثیت مجموعی بگڑ نہ نہیں پاتی۔ لیکن اگر قوم ان افراد کے معاملہ میں تساہل شروع کر دیتی ہے اور غلط کار لوگوں کو ملامت کرنے کے بجائے انہیں سوسائیٹی میں غلط کاری کے لیے آزاد چھوڑ دیتی ہے، تو پھر رفتہ رفتہ وہی خرابی جو پہلے چند افراد تک محدود تھی، پوری قوم میں پھیل کر رہتی ہے۔ بھی چیز تھی جو آخر کار بنی اسرائیل کے بگاڑ کی موجب ہوئی۔

حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے جو لعنت بنی اسرائیل پر کی گئی اس کے لیے ملاحظہ ہو زبور ۱۰۵ اور متى ۲۳۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 103 ▲

مطلوب یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور نبی اور کتاب کے ماننے والے ہوتے ہیں انہیں فطرۃ مشرکین کے مقابلہ میں اُن لوگوں کے ساتھ زیادہ ہمدردی ہوتی ہے جو مذہب میں خواہ ان سے اختلاف ہی رکھتے ہوں، مگر بہر حال انہی کی طرح خدا اور سلسلہ وحی و رسالت کو مانتے ہوں۔ لیکن یہ یہودی عجیب قسم کے اہل کتاب ہیں کہ توحید اور شرک کی جنگ میں کھلمنکھلا مشرکین کا ساتھ دے رہے ہیں، اقرارِ نبوّت اور انکارِ نبوّت کے لڑائی میں علانية ان کی ہمدردیاں منکرین نبوّت کے ساتھ ہیں، اور پھر بھی وہ بلا کسی شرم و حیا کے یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہم خدا اور پیغمبروں اور کتابوں کے ماننے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحْرِمُوا طَبِيبَتِ مَا أَحَلَ اللَّهُ نَكْمُ وَ لَا تَعْتَدُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُ  
 الْمُعْتَدِلِينَ ﴿٨٥﴾ وَ كُلُوا هِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَبِيبًا ۚ وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ  
 لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغُو فِي آيَاتِنَا كُمْ وَ لَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْأَيْمَانَ  
 فَكَفَّارَتُهُ أطْعَامٌ عَشَرَةً مَسَكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيَكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرٌ  
 رَقَبَةٌ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ ۖ ذَلِكَ كَفَارَةُ آيَاتِنَا كُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوا  
 آيَاتِنَا كُمْ كَذِلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ نَكْمُ أَيْتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا  
 الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْأَنْصَابُ وَ الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ  
 تُفْلِحُونَ ﴿٨٧﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَنُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ  
 يَصْدِدَكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُمْتَهِنُونَ ﴿٨٨﴾ وَ اطِّيِعُوا اللَّهَ وَ اطِّيِعُوا  
 الرَّسُولَ وَ احْذَرُوا ۖ فَإِنْ تَوَلَُّمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ لَيْسَ عَلَى  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّلِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا  
 الصَّلِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَ آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَ أَحْسَنُوا ۖ وَ اللَّهُ يُحِبُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾

## دکوع ۱۲

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کر لو<sup>104</sup> اور حد سے تجاوز نہ کرو،<sup>105</sup> اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال و طیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اُسے کھاؤ پیو اور اُس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

تم لوگ جو ہمیں قسمیں کھالیتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مو اخذہ کرے گا۔ <sup>﴿۱۰﴾</sup> ایسی قسم توڑنے کا <sup>﴿۱۰﴾</sup> کفارہ یہ ہے کہ دس <sup>﴿۱۰﴾</sup> مسکینوں کو وہ او سط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام آزاد کرو، اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔<sup>106</sup> اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔<sup>107</sup> اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتا ہے شاید کہ تم شکر ادا کرو۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جو اور یہ آستانے اور پانسے،<sup>108</sup> یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔<sup>109</sup> شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی بات مانو اور باز آ جاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدویٰ کی توجان لو کہ ہمارے رسولؐ پر بس صاف صاف حکم پہنچادیئے کی ذمہ داری تھی۔

جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہو گی

بشر طیکہ وہ آئندہ اُن چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں، پھر جس چیز سے روکا جائے اس سے زکیں اور جو فرمانِ الٰہی ہو اُسے مانیں۔ پھر خداتری کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۲

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 104 ▲

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بن جاؤ۔ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا۔ اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام کرو گے تو قانونِ الٰہی کے بجائے قانونِ نفس کے پیرو قرار پاؤ گے۔ دوسری بات یہ کہ عیسائی را ہبوں، ہندو جو گیوں، بو دھ مذہب کے بھکشوں اور اشرافتی متضوّفین کی طرح رہبانیت اور قطع لذّات کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان پایا جاتا رہا ہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو دُنیوی لذّتوں سے محروم کرنا، اور دُنیا کے سامانِ زیست سے تعلق توڑنا، بجائے خود ایک نیکی ہے اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جن کے اندر یہ ذہنیت پائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بعض صحابیوں نے عہد کیا ہے کہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے، راتوں کو بستر پر نہ سوئیں گے بلکہ جاگ جاگ کر عبادت کرتے رہیں گے، گوشت اور چکنائی استعمال نہ کریں گے، عورتوں سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ اس پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ ” مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تمہارے نفس کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ راتوں کو قیام بھی کرو اور سو و بھی۔ مجھے، میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں۔ روزے کھتا بھی

ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھنی بھی۔ پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ ”پھر فرمایا“ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو اور اچھے کھانے کو اور خوشبو اور نیند اور دُنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ میں نے تو تمہیں یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تم راہب اور پادری بن جاؤ۔ میرے دین میں نہ عورتوں اور گوشت سے اجتناب ہے اور نہ گوشه گیری و عزلت نشینی ہے۔ ضبطِ نفس کے لیے میرے ہاں روزہ ہے، رہبانیت کے سارے فائدے یہاں جہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، حج و عمرہ کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی، اور جب انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ انہی کے بقا یا ہیں جو تم کو صوموں اور خانقاہوں میں نظر آتے ہیں۔ ”اسی سلسلہ میں بعض روایات سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ ایک مددت سے اپنی بیوی کے پاس نہیں گئے ہیں اور شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے ملا کر ان کو حکم دیا کہ ابھی اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا روزہ تواریخ دو اور جاؤ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک خاتون نے شکایت پیش کی کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت عمرؓ نے مشہور تابعی بزرگ، کعب بن سور الازدی کو ان کے مقدمہ کی سماعت کے لیے مقرر کیا، اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس خاتون کے شوہر کو تین راتوں کے لیے اختیار ہے کہ جتنی چاہیں عبادت کریں مگر چوتھی رات لازماً ان کی بیوی کا حق ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 105 ▲

”حد سے تجاوز کرنا“ و سیع مفہوم کا حامل ہے۔ حلال کو حرام کرنا اور خدا کی ٹھیکانی ہوئی پاک چیزوں سے اس طرح پرہیز کرنا کہ گویا کہ وہ ناپاک ہیں، یہ بجائے خود ایک زیادتی ہے۔ پھر پاک چیزوں کے استعمال میں اسراف اور افراط بھی زیادتی ہے۔ پھر حلال کی سرحد سے باہر قدم نکال کر حرام کے حدود میں داخل ہونا بھی زیادتی ہے۔ اللہ کو یہ تینوں باتیں ناپسند ہیں۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 106 ▲

چونکہ بعض لوگوں نے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی قسم کھار کھی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں قسم کا حکم بھی بیان فرمادیا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے بلا ارادہ قسم کا لفظ نکل گیا ہے تو اس کی پابندی کرنے کی وجیسے ہی ضرورت نہیں، کیونکہ ایسی قسم پر کوئی مواد خذہ نہیں ہے، اور اگر جان بوجھ کر کسی نے قسم کھائی ہے تو وہ اُسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے، کیونکہ جس نے کسی معصیت کی قسم کھائی ہوا سے اپنی قسم پر قائم نہ رہنا چاہیے (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۲۳۳ و ۲۳۴۔ نیز کفارہ کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء حاشیہ نمبر ۱۲۵)۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 107 ▲

قسم کی حفاظت کے کئی مفہوم ہیں: ایک یہ کہ قسم کو صحیح مَصْرُف میں استعمال کیا جائے، فضول باقتوں اور معصیت کے کاموں میں استعمال نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی بات پر آدمی قسم کھائے تو اسے یاد رکھے، ایسا نہ ہو کہ اپنی غفلت کی وجہ سے وہ اُسے بھوول جائے۔ اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے۔

تیسرا یہ کہ جب کسی صحیح معاملہ میں بالارادہ قسم کھائی جائے تو اسے پورا کیا جائے اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 108 ▲

آستانوں اور پانسوں کی تشریع کے لیے ملاحظہ ہو: سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۱۲ و ۱۳۔ اسی سلسلہ میں جوئے کی تشریع بھی حاشیہ ۱۳ میں مل جائے گی۔ اگرچہ پانسے (ازلام) اپنی نوعیت کے اعتبار سے میسر (جوئے) ہی کی ایک قسم ہیں، لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عربی زبان میں ازلام فال گیری اور قرعہ اندازی کی اُس صورت کو کہتے ہیں کہ جو مشرکانہ عقائد اور وہیات سے آلوودہ ہو۔ اور میسر کا اطلاق ان کھیلوں اور ان کاموں پر ہوتا ہے جن میں اتفاقی اُمور کو کمائی اور قسمت آزمائی اور تقسیم اموال و اشیاء کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 109 ▲

اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں: ایک شراب۔ دوسرے قمار بازی۔ تیسرا وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔ موخر الذکر تینوں چیزوں کی ضروری تشریع پہلے کی جا چکی ہے۔ شراب کے متعلق احکام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

شراب کی حرمت کے سلسلہ میں اس سے پہلے دو حکم آچکے تھے، جو سورہ بقرہ آیت ۲۱۹ اور سورہ نساء آیت ۳۳ میں گزر چکے ہیں۔ اب اس آخری حکم کے آنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے، بعد نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آجائے

، لہذا جن جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہو وہ اسے فروخت کر دیں۔ اس کے کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اعلان کرایا کہ اب جن کے پاس شراب ہو وہ نہ اسے پی سکتے ہیں، نہ پیج سکتے ہیں، بلکہ وہ اسے ضائع کر دیں۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہادی گئی۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم یہودیوں کو تحفۃ کیوں نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا ”جس نے یہ چیز حرام کی ہے اُس نے اسے تحفۃ دینے سے بھی منع کر دیا ہے۔“ بعض لوگوں نے پوچھا ہم شراب کو سرکے میں کیوں نہ تبدیل کر دیں؟ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ ”نہیں، اسے بہادو۔“ ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ دواء کے طور پر استعمال کی تو اجازت ہے؟ فرمایا ”نہیں، وہ دواء نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔“ ایک اور صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے، اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگ شراب سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا جو چیز تم پینے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔ انہوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔ فرمایا ”اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔“

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لَعْنَ اللَّهِ أَكْحَرُ وَ شَارِبَهَا وَ سَاقِيَهَا وَ بَاعَهَا وَ مُبْتَأِعَهَا وَ عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَ حَامِلَهَا وَ الْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ۔ ”اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور کشید کرانے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے وہ ڈھو کر لے جائی گئی ہو۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر

شراب پی جا رہی ہو۔ ابتداءً آپ نے اُن برتاؤں کے استعمال کو منع فرمادیا تھا جس میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حُرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہو گیا تب آپ نے برتاؤں پر سے یہ قید اٹھادی۔

خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور مجاز آگئیوں، جو، کشمکش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ الفاظ بولتے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حُرمت کے اس حکم کو تمام اُن چیزوں پر عام قرار دیا جو نہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضورؐ کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ کل مسکر خمر و کل مسکر حرام۔ ”ہر نہ شرہ آور چیز خمر ہے اور ہر نہ شرہ آور چیز حرام ہے۔“ کل شرابِ اسکر فهو حرام۔ ”ہر وہ مشروب جو نہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔“ وانا انہی عن کل مسکر۔“ اور میں ہر نہ شرہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔“ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ انخمر ما خامر العقل۔ ”خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بھی بیان فرمایا کہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔“ جس چیز کی کثیر مقدار نہ شرہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔“ اور ما اسکر الفرق منه مفل اکف منه حرام۔“ جس چیز کا ایک پورا قرابہ نہ شرہ پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلوپینا بھی حرام ہے۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا اسے جو تے، لات، سگنے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹنے اور کھجور کے سنتنے

مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ ضریب آپؐ کے زمانہ میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ۳۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ابتداءً ۳۰ کوڑوں ہی کی سزا رہی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انہوں نے صحابہؓ کرامؓ کے مشورے سے ۸۰ کوڑے سزا مقرر کی۔ اسی سزا کو امام مالکؓ اور امام ابو حنیفہؓ، اور ایک روایت کے بموجب امام شافعیؓ بھی، شراب کی حد قرار دیتے ہیں۔ مگر امام احمدؓ ابن حنبلؓ اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعیؓ ۳۰ کوڑوں کے قائل ہیں، اور حضرت علیؓ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

شریعت کی رو سے یہ بات حکومتِ اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزور و قوت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک شخص رؤیشدنامی کی دوکان اس بنا پر جلوادی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمرؓ کے حکم سے اس قصور پر جلاڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہوا رہا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَبْلُو نَّكْمُ اللَّهِ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَاهُ اللَّهُ أَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ  
 لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَنْ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
 آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَّ أَعْمَمٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ  
 مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدِيًّا بِلِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَارَةً طَعَامٌ مَسْكِينٌ أَوْ  
 عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ  
 مِنْهُ وَ اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو اِنْتِقامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَ  
 لِلسَّيَّارَةِ وَ حُرِمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دَمْتُمْ حُرُمًا وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ  
 ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيمًا لِلنَّاسِ وَ الشَّهْرُ الْحَرَامُ وَ الْهَدَى وَ  
 الْقَلَادِيَّ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ  
 ﴿٩٧﴾ إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَ أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا  
 الْبَلْغُ وَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبَدِّلُونَ وَ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَيْثُ وَ الطَّيْبُ وَ لَوْ  
 أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَيْثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أَوْلِ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

## رکو٤ ۱۳

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ تمہیں اُس شکار کے ذریعہ سے سخت آزمائش میں ڈالے گا جو بالکل تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہو گا، یہ دیکھنے کے لیے کہ تم میں سے کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، پھر جس نے اس تنبیہ کے بعد اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کیا اُس کے لیے دردناک سزا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو،<sup>110</sup> اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اُسی کے ہم پلّہ ایک جانور اُسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے، اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا، یا نہیں تو اس گناہ کے کفارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا، یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے،<sup>111</sup> تاکہ وہ اپنے کیے کامزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اُسے اللہ نے معاف کر دیا، لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلتے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور بدلتے لینے کی طاقت رکھتا ہے۔

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا،<sup>112</sup> جہاں تم ٹھیرو وہاں بھی اُسے کھا سکتے ہو اور قافلے کے لیے زادراہ بھی بناسکتے ہو۔ البته خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تم پر حرام کیا گیا ہے۔ پس بچو اُس خدا کی نافرمانی سے جس کی پیشی میں تم سب کو گھیر کر حاضر کیا جائے گا۔

اللہ نے مکانِ محترم، کعبہ کو لوگوں کے لیے ﴿اجتامی زندگی کے﴾ قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہِ حرام اور قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی ﴿اس کام میں معاون بنادیا﴾<sup>113</sup> تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے سب حالات سے باخبر ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔<sup>114</sup> خبردار ہو جاؤ! اللہ سزا

دینے میں بھی سخت ہے اور اس کے ساتھ بہت درگزر اور رحم بھی کرنے والا ہے۔ رسول پر تو صرف پیغام پہنچادینے کی ذمہ داری ہے، آگے تمہارے سکھلے اور چھپے سب حالات کا جاننے والا اللہ ہے۔ اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتان تمہیں کتنا ہی فریفہ کرنے والی ہو، 115 اے لوگو جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ ۱۳۶

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 110 ▲

شکار خواہ آدمی خود کرے، یا کسی دوسرا کوشکار میں کسی طور پر مدد دے، دونوں باتیں حالتِ احرام میں منع ہیں۔ نیز اگر مُحْرِم کی خاطر شکار مارا گیا ہو تب بھی اس کا کھانا مُحْرِم کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے اپنے لیے خود شکار کیا ہو اور پھر وہ اس میں سے مُحْرِم کو بھی تحفۃً کچھ دیدے تو اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حکمِ عام سے مُوذی جانور مستثنی ہیں۔ سانپ، بچھو، باول اکٹا اور ایسے دوسرا جانور جو انسان کو نقصان پہنچانے والے ہیں، حالتِ احرام میں مارے جاسکتے ہیں۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 111 ▲

اِن اُمور کا فیصلہ بھی دو عادل آدمی ہی کریں گے کہ کس جانور کے مارنے پر آدمی کتنے مسکینیوں کو کھانا کھلانے، یا کتنے روزے رکھے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 112 ▲

چونکہ سمندر کے سفر میں بسا اوقات زاد را ختم ہو جاتا ہے اور غذا کی فراہمی کے لیے بجز اس کے کہ آبی

جانوروں کا شکار کیا جائے اور کوئی تدبیر ممکن نہیں ہوتی اس لیے بحری شکار حلال کر دیا گیا۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 113 ▲

عرب میں کعبہ کی حیثیت محس ایک مقدس عبادت گاہ ہی کی نہ تھی بلکہ اپنی مرکزیت اور اپنے قدس کی وجہ سے وہی پورے ملک کی معاشی و تمدنی زندگی کا سہارا بنا ہوا تھا۔ حج اور عمرے کے لیے سارا ملک اُس کی طرف کھینچ کر آتا تھا اور اس اجتماع کی بدولت انتشار کے مارے ہوئے عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا، مختلف علاقوں اور قبیلوں کے لوگ باہم تمدنی روابط قائم کرتے، شاعری کے مقابلوں سے ان کی زبان اور ادب کو ترقی نصیب ہوتی، اور تجارتی لین دین سے سارے ملک کی معاشی ضروریات پوری ہوتیں۔ حرام مہینوں کی بدولت عربوں کو سال کا پورا ایک تہائی زمانہ امن کا نصیب ہو جاتا تھا۔ بس یہی زمانہ ایسا تھا جس میں ان کے قافلے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بسہولت آتے جاتے تھے۔ قربانی کے جانوروں اور قلادوں کی موجودگی سے بھی اس نقل و حرکت میں بڑی مدد ملتی تھی، کیونکہ نذر کی علامت کے طور پر جن جانوروں کی گردان میں پٹے پڑے ہوتے انہیں دیکھ کر عربوں کی گرد نیں احترام سے جھک جاتیں اور کسی غارت گر قبیلے کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 114 ▲

یعنی اگر تم اس انتظام پر غور کرو تو تمہیں خود اپنے ملک کی تمدنی و معاشی زندگی ہی میں اس امر کی ایک بیان شہادت مل جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مصالح اور اُن کی ضروریات کا کیسا مکمل اور گہرا علم رکھتا ہے اور اپنے ایک ایک حکم کے ذریعہ سے انسانی زندگی کے کتنے کتنے شعبوں کو فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ بد امنی کے یہ سینکڑوں برس جو محمدؐ عربی کے ظہور سے پہلے گزرے ہیں، ان میں تم لوگ خود اپنے مفاد سے ناواقف تھے

اور اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے، مگر اللہ تمہاری ضرورتوں کو جانتا تھا اور اُس نے صرف ایک کعبہ کی مرکزیت قائم کر کے تمہارے لیے وہ انتظام کر دیا تھا جس کی بدولت تمہاری قومی زندگی برقرار رہ سکی۔ دوسرا بے شمار باتوں کو چھوڑ کر اگر صرف اسی بات پر دھیان کرو تو تمہیں یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ نے جو احکام تمہیں دیے ہیں ان کی پابندی میں تمہاری اپنی بھلائی ہے اور ان میں تمہارے لیے وہ وہ مصلحتیں پوشیدہ ہیں جن کونہ تم خود سمجھ سکتے ہو اور نہ اپنی تدبیروں سے پُورا کر سکتے ہو۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 115 ▲

یہ آیت قدر و قیمت کا ایک دوسرا ہی معیار پیش کرتی ہے جو ظاہر میں انسان کے معیار سے بالکل مختلف ہے۔ ظاہر بیس نظر میں سو (۱۰۰) روپے بمقابلہ پانچ (۵) روپے کے لازماً زیادہ قیمتی ہیں کیونکہ وہ سو ہیں اور یہ پانچ۔ لیکن یہ آیت کہتی ہے کہ سو (۱۰۰) روپے اگر خدا کی نافرمانی کر کے حاصل کیے گئے ہوں تو وہ ناپاک ہیں، اور پانچ روپے اگر خدا کی فرماں برداری کرتے ہوئے کمائے گئے ہوں تو وہ پاک ہیں، اور ناپاک خواپ مقدار میں کتنا ہی زیادہ ہو، بہر حال وہ پاک کے برابر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ غلاظت کے ایک ڈھیر سے عطر کا ایک قطرہ زیادہ قدر رکھتا ہے اور پیشاب کی ایک لبریز ناند کے مقابلہ میں پاک پانی کا ایک چلو زیادہ وزنی ہے۔ لہذا ایک سچے دانشمند انسان کو لازماً حلال ہی پر قناعت کرنی چاہیے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی حقیر و قلیل ہو، اور حرام کی طرف کسی حال میں بھی ہاتھ نہ بڑھانا چاہیے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی کثیر و شاندار ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءِ إِنْ تُبْدَأْ نَكْمٌ تَسْؤُكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا  
 حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَأْ نَكْمٌ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا  
 قَوْمٌ مِّنْ قَبْدِلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفَّارِينَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَابِيَةٍ وَ  
 لَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامِرٌ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا  
 يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا  
 وَجَدْنَا عَلَيْهِ أَبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
 أَمْنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا  
 فَيَنْتَهِيُّكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ  
 أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةُ اثْنَيْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ أَخْرَنِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ  
 ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَاصَابْتُكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ  
 فَيُقْسِمُنِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبَتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ شَمَانًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبًا وَلَا نَكُونُ شَهَادَةً اللَّهِ  
 إِنَّا إِذَا لَمْنَ الْأُثِيْمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَى أَنَّهُمَا اسْتَحْقَاقًا إِثْمًا فَأَخْرِنِ يَقُولُ مِنْ مَقَامَهُمَا  
 مِنَ الَّذِينَ اسْتَحْقَ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيْنِ فَيُقْسِمُنِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتِنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا

اَعْتَدَيْنَا ۝ إِنَّا اِذَا لَمْنَ الظُّلْمِيْنَ ﴿١٢﴾ ذِلِكَ اَدْنَى اَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَى وَجْهِهَا اَوْ يَخَافُوا اَنْ تُرَدَّ اِيمَانُهُمْ ۝ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اسْمَعُوا ۝ وَ اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الفُسِيقِيْنَ ﴿١٣﴾

رکو ۶

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایسی باتیں نہ پوچھا کرو تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں،  
لیکن اگر تم انہیں ایسے وقت پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی۔ اب تک  
جو کچھ تم نے کیا اُسے اللہ نے معاف کر دیا، وہ در گزر کرنے والا اور بُردار ہے۔ تم سے پہلے ایک گروہ نے  
اسی قسم کے سوالات کیے تھے، پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کفر میں بُرتلا ہو گئے۔  
**116**

اللہ نے نہ کوئی بھیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔  
**117** مگر یہ کافر اللہ پر مجھوٹی تہمت لگاتے  
ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں کہ ایسے وہیات کو مان رہے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے  
کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ پیغمبرؐ کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے  
لیے توبس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے  
جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو؟

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود را  
راست پر ہو،  
**119** اللہ کی طرف تم سب کو پیٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحبِ عدل آدمی<sup>120</sup> گواہ بنائے جائیں، یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر مسلموں ہی میں سے دو گواہ لے لیے جائیں۔<sup>121</sup> پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لیا جائے اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ”ہم کسی ذاتی فائدے کے عوض شہادت بخپنے والے نہیں ہیں، اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔“ ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں ہیں، اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں، اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے۔ لیکن اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو گناہ میں بُختلا کیا ہے تو پھر ان کی جگہ دو اور شخص جوان کی بہ نسبت شہادت دینے کے لیے اہل تر ہوں ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہو، اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ”ہماری شہادت اُن کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے، اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے۔“ اس طریقہ سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت دیں گے، یا کم از کم اس بات ہی کا خوف کریں گے کہ ان کی قسموں کے بعد دوسرا قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرو اور سنو، اللہ نافرمانی کرنے والوں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔ ۱۳

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 116 ▲

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض لوگ عجیب عجیب قسم کے فضول سوالات کیا کرتے تھے جن کی نہ دین کے کسی معاملہ میں ضرورت ہوتی تھی اور نہ دُنیا ہی کے کسی معاملہ میں۔ مثلاً ایک موقع پر ایک صاحب بھرے مجمع میں آپؐ سے پوچھ بیٹھے کہ ”میرا اصلی باب کون ہے؟“ اسی طرح بعض لوگ احکام شرع میں غیر

ضروری پوچھ کچھ کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی چیزوں کا تعین کیا کرانا چاہتے تھے جنہیں شارع نے مصلحتاً غیر معین رکھا ہے۔ مثلاً قرآن میں مجملًا یہ حکم دیا گیا تھا کہ حج تم پر فرض کیا گیا ہے۔ ایک صاحب نے حکم سنتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ”کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟“ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا ”تم پر افسوس ہے۔ اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پائے۔ پھر تم ہی لوگ اس کی پیروی نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے۔“ ایسے ہی لایعنی اور غیر ضروری سوالات سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لوگوں کو کثرت سوال سے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھونج لگانے سے منع فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: ان اعظم المسلمين في المسلمين جرما من سائل عن شيء لم يحرم على الناس فحرمه من أجل مسألته۔ ”مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھیک رائی گئی۔“ ایک دوسری حدیث میں ہے ان اللہ فرض فرائض فلا تضييعوها و حرمات فلا تنتهكوا عنها وَحَدَّ حُدُودًا فلا تعتدُوهَا وَسَكِّتَ عَنْ أشیاء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها۔“ اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کیے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اُسے بھول لاحق ہوئی ہو، لہذا ان کی کھونج نہ لگاؤ۔“ ان دونوں حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے۔ جن اُمور کو

شارع نے مجملًا بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی، یا جو احکام بر سبیل اجمال دیے ہیں اور مقدار یا تعداد یا ذر و سرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے، ان میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی، تفصیلات بتانی چاہیے تھیں مگر نہ بتائیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لیے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔ اب جو شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال نکال کر تفصیلات اور تعینات اور تقیدات بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے، استنباط سے کسی نہ کسی طرح محمل کو مفصل، مطلق کو مقید، غیر معین کو معین بناؤ کر ہی چھوڑتا ہے، وہ در حقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے۔ اس لیے کہ ما بعد الطبعی امور میں جتنی تفصیلات زیادہ ہوں گی، ایمان لانے والے کے لیے اتنے ہی زیادہ انجمن کے موقع بڑھیں گے، اور احکام میں جتنی قیود زیادہ ہوں گی پیروی کرنے والے کے لیے خلاف ورزی حکم کے امکانات بھی اسی قدر زیادہ ہوں گے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 117 ▲

یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام میں موشکافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لیے تیار کرایا، پھر خود ہی اُس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقشِ قدم پر چلنے میں، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود، مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔

### سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 118 ▲

جس طرح ہمارے ملک میں گائے، بیل اور بکرے خدا کے نام پر یا کسی بُت یا قبر یا دیوتا یا پیر کے نام پر چھوڑ

دیے جاتے ہیں، اور ان سے کوئی خدمت لینا یا انہیں ذبح کرنا یا کسی طور پر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا ہے، اسی طرح زمانہ جایلیت میں اہل عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کو ٹوکر کے چھوڑ دیا کرتے تھے اور ان طریقوں سے چھوڑے ہوئے جانوروں کے الگ الگ نام رکھتے تھے۔

**بیکرہ:** اُس اونٹ کو کہتے تھے جو پانچ دفعہ پنج چکلی ہو اور آخری بار اس کے ہال نز بچھے ہوا ہو۔ اس کا کان چیر کر اُسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر نہ کوئی اس پر سوار ہوتا، نہ اُس کا دودھ پیا جاتا، نہ اُسے ذبح کیا جاتا، نہ اس کا اون اتارا جاتا۔ اُسے حق تھا کہ جس کھیت اور جس چڑاگاہ میں چاہے چرے اور جس گھاٹ سے چاہے پانی پیے۔

**سامنہہ:** اُس اونٹ یا اونٹ کو کہتے تھے جسے کسی مٹت کے پورا ہونے یا کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی خطرے سے نجی گانے پر بطور شکرانہ کے پُن کر دیا گیا ہو۔ نیز جس اونٹ نے دس مرتبہ پنج دیے ہوں اور ہر بار مادہ ہی جنی ہو اُسے بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔

**وصیلہ:** اگر بکری کا پہلا بچھے نر ہوتا تو وہ خداوں کے نام پر ذبح کر دیا جاتا، اور اگر وہ پہلی بار مادہ جنتی تو اسے اپنے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ لیکن اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو ذبح کرنے کے بجائے یو ہی خداوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا نام وصیلہ تھا۔

**حام:** اگر کسی اونٹ کا پوتا سواری دینے کے قابل ہو جاتا تو اس بُوڑھے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نیز اگر کسی اونٹ کے نطفہ سے دس پنج پیدا ہو جاتے تو اسے بھی آزادی مل جاتی۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 119 ▲

یعنی بجائے اس کے کہ آدمی ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ فلاں کیا کر رہا ہے اور فلاں کے عقیدے میں کیا خرابی ہے اور فلاں کے اعمال میں کیا بُرائی ہے، اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔ اسے فکر اپنے خیالات

کی، اپنے اخلاق اور اعمال کی ہونی چاہیے کہ وہ کہیں خراب نہ ہوں۔ اگر آدمی خود اللہ کی اطاعت کر رہا ہے، خدا اور بندوں کے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں انہیں ادا کر رہا ہے، اور راست روی و راست بازی کی مقتضیات پورے کر رہا ہے، جن میں لازماً امر بالمعروف و نهى عن المنکر بھی شامل ہے، تو یقیناً کسی شخص کی گمراہی و کج روی اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔

اس آیت کا یہ منشاء ہر گز نہیں ہے کہ آدمی بس اپنی نجات کی فکر کرے، دوسروں کی اصلاح کی فکر نہ کرے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس غلط فہمی کی تردید کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: ”لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنائے کہ جب لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ بُرا ای کو دیکھیں اور اسے بد لئے کی کوشش نہ کریں، ظالم کو ظلم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں، تو بعد نہیں کہ اللہ اپنے عذاب میں سب کو لپیٹ لے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور بُرا ای سے روکو، ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم میں سب سے بدتر ہوں گے اور وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے دُعائیں مانگیں گے مگر وہ قبول نہ ہوں گی۔

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 120

یعنی دیندار، راست باز اور قابلِ اعتماد مسلمان۔

## ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 121

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم کو شاہد بنانا صرف اُس حالت میں درست ہے جبکہ کوئی مسلمان گواہ بننے کے لیے میسر نہ آسکے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرَّسُولَ فَيَقُولُ مَاذَا أُحِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَاتِكَ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ  
الْقُدُّسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلِمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْتَّوْرِثَةَ وَ  
الْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهْيَةً الطَّيْرِ بِإِذْنِ فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ وَ  
تُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِإِذْنِ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ  
عَنْكَ إِذْ جَعَلْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ وَإِذْ  
أُوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيُّونَ أَنْ أَمْنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا أَمَنَّا وَاشْهَدُ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَا إِيمَانَهُ مِنَ  
السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطَمِّنَّ  
قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّهِيدِينَ قَالَ يَعِيسَى ابْنُ  
مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا آنِزْنِلْ عَلَيْنَا مَا إِيمَانَهُ مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا إِلَّا وَلِنَا وَأَخْرِنَا وَأَيَّةً  
مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ قَالَ اللَّهُ أَنِّي مُنْزِلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكُفِرُ بَعْدُ  
مِنْكُمْ فَإِنِّي أَعْذِبُهُ عَذَابًا لَا أَعْذِبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعُلَمَاءِ

## دکو ۱۵

جس روز <sup>122</sup> اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا، <sup>123</sup> تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، <sup>124</sup> آپ ہی تمام پوشیدہ حقیقوں کو جانتے ہیں۔ پھر تصور کرو اس موقع کا جب اللہ فرمائیگا <sup>125</sup> کہ ”اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میری اس نعمت کو جو میں نے تجھے اور تیری ماں کو عطا کی تھی، میں نے روح پاک سے تیری مدد کی، تو گھوارے میں بھی لوگوں سے بات کرتا تھا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجلیل کی تعلیم دی، تو میرے حکم سے مٹی کا پتلا پرندے کی شکل کا بناتا اور اس میں پھونکتا تھا، اور وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، تو مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا، تو مردوں کو میرے حکم سے نکالتا تھا، <sup>126</sup> پھر جب تو بني اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں سے منکرِ حق تھے انہوں نے کہا کہ یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں تو میں نے ہی تجھے ان سے بچایا، اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاو تب انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں <sup>127</sup>۔ <sup>128</sup> حواریوں کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی یاد رہے کہ جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا آپ کارب ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار سکتا ہے؟ تو عیسیٰ نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا ہے وہ صحیح ہے اور ہم اس پر گواہ ہوں۔ اس پر عیسیٰ ابنِ مریم نے دعا کی ”خدا یا! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لیے اور ہمارے الگوں پچھلوں کے لیے خوشی کا موقع قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو، ہم کو رزق

دے اور تو بہترین رازق ہے۔ ”اللہ نے جواب دیا“ میں اُس کو تم پر نازل کرنے والا ہوں،<sup>129</sup> مگر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا اسے میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہو گی۔<sup>150</sup>

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 122

مراد ہے قیامت کا دن۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 123

یعنی اسلام کی طرف جو دعوت تم نے دنیا کو دی تھی اس کا کیا جواب دنیا نے تمہیں دیا۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 124

یعنی ہم تو صرف اُس محدود ظاہری جواب کو جانتے ہیں جو ہمیں اپنی زندگی میں ملتا ہوا محسوس ہوا۔ باقی رہا یہ کہ فی الحقيقةت ہماری دعوت کا رد عمل کہاں کس صورت میں کتنا ہوا، تو اس کا صحیح علم آپ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔

### ▲ سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر: 125

ابتدائی سوال تمام رسولوں سے بحیثیت مجموعی ہو گا۔ پھر ایک ایک رسول سے الگ الگ شہادت لی جائے گی جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بتصریح ارشاد ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کیا جائے گا وہ یہاں بطور خاص نقل کیا جا رہا ہے۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 126 ▲

یعنی حالت موت سے نکال کر زندگی کی حالت میں لا تھا۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 127 ▲

یعنی حواریوں کا تجھ پر ایمان لانا بھی ہمارے فضل اور توفیق کا نتیجہ تھا، ورنہ تجھ میں تو اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ اُس جھٹلانے والی آبادی میں ایک ہی تصدیق کرنے والا اپنے بل بوتے پر پیدا کر لیتا۔۔۔۔۔ ضمیراً یہاں یہ بھی بتا دیا کہ حواریوں کا اصل دین اسلام تھانہ کہ عیسائیت۔

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 128 ▲

چونکہ حواریوں کا ذکر آگیا تھا اس لیے سلسلہ کلام کو توڑ کر جملہ مفترضہ کے طور پر یہاں حواریوں ہی کے متعلق ایک اور واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مسیح سے برآ راست جن شاگردوں نے تعلیم پائی تھی وہ مسیح کو ایک انسان اور مخصوص ایک بندہ سمجھتے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی اپنے مرشد کے خدا یا شریکِ خدا یا فرزندِ خدا ہونے کا تصور نہ تھا۔ نیز یہ کہ مسیح نے خود بھی اپنے آپ کو ان کے سامنے ایک بندہ بے اختیار کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جو گفتگو قیامت کے روز ہونے والی ہے، اس کے اندر اس جملہ مفترضہ کا کون سا موقع ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ مفترضہ اُس گفتگو سے متعلق نہیں ہے جو قیامت کے روز ہو گی بلکہ اُس کی اس پیشگی حکایت سے متعلق ہے جو اس دنیا میں کی جا رہی ہے۔ قیامت کی اس ہونے والی گفتگو کا ذکر یہاں کیا ہی اس لیے جا رہا ہے کہ موجودہ زندگی میں عیسائیوں کو اُس سے سبق ملے اور وہ راہ راست پر

آئیں۔ لہذا اس گفتگو کے سلسلہ میں حواریوں کے اس واقعہ کا ذکر بطور ایک جملہ معمتر ضمہ کے آنا کسی طرح غیر متعلق نہیں ہے۔

### ▲ سورہ المائدہ حاشیہ نمبر: 129

قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ یہ خوان فی الواقع اتارا گیا یا نہیں۔ دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ یہ نازل ہوا ہو اور ممکن ہے کہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سن کر اپنی درخواست واپس لے لی ہو۔

رَكْوَةٌ ١٦

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْيَسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ<sup>٦</sup>  
 قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِيٌ بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ  
 مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٢﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا  
 أَمْرَتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا  
 تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٣﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ  
 عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ  
 الصَّدِيقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا آبَدًا رَضِيَ اللَّهُ  
 عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٥﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ<sup>٧</sup>  
 وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١١٦﴾

## دکوں ۱۶

غرض جب ﴿یہ احسانات یاد دلا کر﴾ اللہ فرمائے گا کہ ”اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سو مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو؟<sup>130</sup>“ تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ ”سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا، آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے، آپ تو ساری پوشیدہ حقیقوں کے عالم ہیں۔ میں نے اُن سے اُس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ میں اُسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔ جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگراں تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگراں ہیں۔ اب اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا ہیں۔“ تب اللہ فرمائے گا ”یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے، اُن کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

زمین اور آسمانوں اور تمام موجودات کی پادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ۱۶

## سورة المائدہ حاشیہ نمبر: 130 ▲

عیسائیوں نے اللہ کے ساتھ صرف مسیح اور روح القدس، ہی کو خدا بنانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مسیح کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو بھی ایک مستقل معبود بنادا۔ حضرت مریم علیہا السلام کو الْوَہیّت یا قُدُّوسیّت کے متعلق کوئی اشارہ تک باسیل میں موجود نہیں ہے۔ مسیح کے بعد ابتدائی تین سو برس تک عیسائی دُنیا اس تحفیل سے بالکل نا آشنا تھی۔ تیسرا صدی عیسوی کے آخری دور میں اسکندریہ کے بعض علماء دینیات نے پہلی مرتبہ حضرت مریم کے لیے ”امِ اللہ“ یا ”مادرِ خدا“ کے الفاظ استعمال کیے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ الْوَہیّت مریم کا عقیدہ اور مریم پرستی کا طریقہ عیسائیوں میں پھیلنا شروع ہوا۔ لیکن اول اول چرچ اسے باقاعدہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا، بلکہ مریم پرستوں کو فاسد العقیدہ قرار دیتا تھا۔ پھر جب نَسْطُورِیس کے اس عقیدے پر کہ مسیح کی واحد ذات میں دو مستقل جُدَّا گانہ شخصیتیں جمع تھیں، مسیحی دُنیا میں بحث و جدال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا تصفیہ کرنے کے لیے سن 431ء میں شہر افسوس میں ایک کونسل منعقد ہوئی، اور اس کو نسل میں پہلی مرتبہ کلیسا کی سرکاری زبان میں حضرت مریم کے لیے ”مادرِ خدا“ کا لقب استعمال کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریم پرستی کا جو مرض اب تک کلیسا کے باہر پھیل رہا تھا وہ اس کے بعد کلیسا کے اندر بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، حتیٰ کہ نزولِ قرآن کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریم اتنی بڑی دیوبی بن گئیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں ان کے سامنے ہیچ ہو گئے۔ ان کے مجسمے جگہ جگہ کلیساوں میں رکھے ہوئے تھے، ان کے آگے عبادت کے جملہ مراسم ادا کیے جاتے تھے، انہی سے دعا میں مانگی جاتی تھیں، وہی فریاد رس، حاجت رو، مشکل کشا اور بکسیوں کی پشتیبان تھیں، اور ایک مسیحی بندے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ اعتماد اگر کوئی تھاتو وہ یہ تھا کہ ”مادرِ خدا“ کی حمایت و سرپرستی اسے حاصل ہو۔ قیصر جَسْطَنْیَن اپنے ایک قانون کی تمهید میں حضرت مریمؑ کو اپنی سلطنت کا حامی و ناصر قرار دیتا ہے۔ اس کا

مشہور جزل نر سیسیں میدانِ جنگ میں حضرت مریمؑ سے ہدایت و رہنمائی طلب کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر قیصر ہر قُل نے اپنے جنڈے پر ”مادرِ خدا“ کی تصویر بنارکھی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس تصویر کی برکت سے یہ جنڈا سرنگوں نہ ہو گا۔ اگرچہ بعد کی صدیوں میں تحریک اصلاح کے اثر سے پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے مریمؑ پرستی کے خلاف شدت سے آواز اٹھائی، لیکن رومن کیتوں کلیسا آج تک اس مسلک پر قائم ہے۔